تفسیر اُمُّ القرآن

از

علامہ ارشد القادری
مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

انوار الاسلام
دربار چوک پرانی چشتیاں شریف بہاول نگر
0334-7049313 - 0303-4357576

Marfat.com

Marfat.com

تفسیر اُمّ القرآن

مفسر

رئیس القلم قائدِ اہلِ سنت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب، تحقیق، تکمیل

مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

انوار الاسلام

دربار چوک، پرانی چشتیاں، تحصیل چشتیاں، ضلع بہاول نگر، پنجاب، پاکستان

irfani_abdullah@yahoo.com +92-303-4357576

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

زِ نورِ محمد جہاں روشن است

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَ انْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ!

جملہ حقوق محفوظ ہیں

15 4645

سلسلہ اِشاعت 7

کتاب تفسیر اُمّ القرآن (سورۂ فاتحہ)

مفسر رئیس القلم قائدِ اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تحقیق و تکمیل مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی (اِبن علامہ ارشد القادری)

حسبِ اِرتضا محمد رضاء الحسن قادری؛ مؤسس ومدیر دارُ الاسلام، لاہور

ناشر قاری محمد عبداللہ حنفی عرفانی؛ منصرم انوارُ الاسلام، چشتیاں

معاونِ اِشاعت جناب محمد حسین صاحب، پرانی چشتیاں شریف

طبع رجب 1435ھ/ مئی 2014ء

ضخامت 176 صفحات

تعداد 1100

قیمت 150 روپے

تقسیم کار

* دارُ الاسلام، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور
* مکتبۃ القرآن، النسا روڈ، چشتیاں
* مکتبہ فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
* مکتبہ برکات المدینہ، بہادر آباد، کراچی
* والضحیٰ پبلی کیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
* تفہیم الاسلام پبلی کیشنز، دینہ، جہلم
* مکتبہ نظامیہ، متصل جامعہ نظامیہ، شیخوپورہ
* نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور

Marfat.com

شرف انتساب

میرے نانا حضور

ڈاکٹر قاری شفیق علیہ الرحمۃ

کے نام

جن کی شفقت و محبت کے نقوش

حاشیہ ذہن میں اب تک تازہ ہیں

دعا جو

غلام زرقانی

Marfat.com

Marfat.com

مشمولات

ابتدائیہ: ڈاکٹر غلام زرقانی کے قلم سے 9
تمہید: علامہ کوکب نورانی کے قلم سے 13
فضائل 17
سورۂ فاتحہ کے اسما 17
حمد 25
حمد کے لغوی معنی اور اندازِ بیان کی خوبی 25
رُبوبیت سے اُلوہیت پر قرآن کا اِستدلال 27
ایک نہایت اہم سوال اور اس کا جواب 29
کلمہ ربّ العالمین کی پہلی حکمت 29
کلمہ ربّ العالمین کی دوسری حکمت 31
ایک اہم سوال اور اس کا جواب 34
صانع کا اپنے مصنوع کے ساتھ تعلق کا ایک واقعہ 36
خدا کا تعلق اپنے رسول کے ساتھ 38
پہلا مقام 38
دوسرا مقام 45
تیسرا مقام 50

Marfat.com

چوتھا مقام	53
پانچواں مقام	56
کائناتِ ہستی کا مطالعہ اور قرآن کی عقدہ کشائی	59
پہاڑوں کا مطالعہ	60
مطالعۂ بادوباراں	60
مطالعۂ بحار	61
نباتات کا مطالعہ	61
مطالعۂ نیرِ اعظم	62
مطالعۂ نجوم وماہ تاب	62
مطالعۂ جمادات	63
مطالعۂ حیوانات	63
بنی نوعِ انسان کا مطالعہ	64
ایک چیلنج	65
فکر کی دنیا میں ایک زلزلہ افگن سوال	65
جست جوئے شوق کے سفر کا آغاز	69
الرحمٰن الرحیم	85
عقیدۂ آخرت	89
تمہید	89
خوب صورت پیرایۂ بیان	90
ایک ایمان افروز نکتہ	91
ایک اور نکتہ	92

Marfat.com

انسانی زندگی پر عقیدۂ آخرت کا اثر 93
اِمکانِ آخرت کا ثبوت 97
نقش کہن کے اِشارے 99
زمینی حقائق سے اِستدلال 101
تقاضائے فطرت 104
قیامت کی ہول ناکیاں 106

اِعترافِ بندگی

109
تمہید 109
ایک اِعتراض کا جواب 109
ایک مشہور مغالطہ اور اس کا جواب 111
فریقین کا اِستدلال 111

دعا

123
تمہید 123
صراطِ مستقیم 126

فقہی مسائل

131
پہلا مسئلہ: تسمیہ بہ آواز بلند پڑھنے کے بارے میں 132
احناف کے دلائل 133
غیر مقلدین کے دلائل 136
دوسرا مسئلہ: مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی تلاوت 140
احناف کے دلائل 141

Marfat.com

فریق مخالف کے دلائل	146
خلاصہ بحث	152
تیسرا مسئلہ: آمین بالجہر کہنے کے بارے میں	153
احناف کے دلائل	153
فریق مخالف کے دلائل	158
خلاصہ بحث	166
مصادر و مراجع	171

Marfat.com

اِبتدائیہ

جب سرزمین کلکتہ سے قائدِ اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ و الرضوان کی اِدارت میں شہرۂ آفاق رسالہ ''جامِ نور'' جاری ہوا تھا، تو اس کے چند شماروں میں آپ نے قسط وار سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی تھی، جو یکتاے روزگار فہم و بصیرت، متوازن اِستدلالات اور پر کشش اُسلوبِ بیان کی وجہ سے بڑے شوق و ذوق کے ساتھ پڑھی گئی۔

یہ بات اب تک میرے حاشیۂ ذہن میں تازہ ہے کہ دہلی کے زمانۂ قیام میں آپ نے انھیں یک جا کر کے کتابی صورت دینے کا اعلان کیا اور اس کی تیاری بھی شروع کردی، تاہم ملک و بیرون ملک میں تبلیغی اسفار، گونا گوں مصروفیات اور ہنگامۂ شب و روز نے انھیں مہلت ہی نہ دی کہ وہ اپنی خواہش پوری کر سکتے۔

والدِ گرامی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ایک دن مَیں آپ کی پرانی فائل الٹ پلٹ کر رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ چند بوسیدہ اوراق پر پڑی، جن سے یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ آپ نے ''جامِ نور'' کے شماروں میں قسط وار شائع شدہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر نظرِ ثانی کرنے کی کوشش کی ہے، بل کہ کئی مباحث کو قدرے تفصیل کے ساتھ از سر نو بھی لکھا ہے۔ مَیں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ فرصت کے لمحات ملتے ہی آپ کی روحانی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے اسے ترتیب دے کر شائع کردوں گا۔

Marfat.com

جنھیں والدگرامی علیہ الرحمۃ کے مسودے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ نہ صرف دوسرے کی تحریر پر نقد کرتے تھے، بل کہ وہ اپنی تحریر و بیان کے بھی بڑے ناقد تھے۔ بار بار اسے پڑھتے......اور کبھی تو الفاظ وتراکیب کی نشست و برخاست تبدیل کردیتے......کبھی بیان کے تقاضے پر بین السطور میں گراں قدر اضافہ کرتے......کبھی پورے پورے جملے سرے سے لکھتے......اور کبھی مکمل پیرا گراف ہی قلم زد کردیتے۔ اس طرح مسودے کو سمجھنا اور اسے پڑھنا خاصا مشکل ہو جاتا۔ بعینہٖ یہی صورت حال متذکرہ مسودہ کے ساتھ بھی پیش آئی اور مَیں نے کئی مقامات پر بڑے غوروفکر کے بعد عبارات کو سمجھنے میں کام یابی حاصل کی۔ بہ ہر کیف اللہ کا شکرو اِحسان کہ یہ انجام کو پہنچا۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نگاہ رہے کہ والدگرامی علیہ الرحمۃ نے جب اسے ازسرِنو لکھنے کا آغاز کیا، تو اسے مکمل نہیں کرسکے اور یہ اسی طرح ادھورا رہ گیا۔ مَیں نے آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے ٹوٹے پھوٹے لب و لہجے میں بات کسی حد تک مکمل کرنے کی کوشش کی ہے، خصوصیت کے ساتھ تین بحثیں میرے قلم سے ہیں۔ ویسے تو ان کے حوالے سے متعلقہ حاشیہ میں وضاحت کردی گئی ہے، تاہم علمی امانت کی پاس داری میں یہاں بھی یہ صراحت ضروری ہے۔ وہ ابحاث یہ ہیں؛

۱-عقیدۂ آخرت......یہ بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

۲-امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بحث......یہ سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳-آمین بالجہر پڑھنے کی بحث......یہ بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

مندرجاتِ کتاب میں یکسانیت پیدا کرنے کے پیشِ نظر کہیں کہیں ذیلی عناوین کا اِضافہ بھی کیا ہے اور چند مقامات ایسے بھی ہیں جہاں، بعض بے ربط حصے حذف بھی کردیے گئے ہیں اور ایک دو ایسے بھی جہاں، بعض الفاظ کے اضافے کے ساتھ عبارات کو بامعنی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

Marfat.com

پوری کتاب میں مذکورہ حوالہ جات کی تخریج کی گئی ہے اور متعلقہ حواشی میں صرف نام کتاب، جلد نمبر اور صفحہ نمبر پر اِکتفا کیا گیا ہے، جب کہ ان کی مزید تفصیلات کتاب کے اخیر میں 'مصادِر و مراجع' کے ذیلی عنوان کے تحت موجود ہیں۔

ترتیبِ کتاب کے دوران جہاں کہیں مفید لاحقے کی ضرورت ہوئی، وہاں بعض باتیں اپنے قلم سے متعلقہ حواشی میں تحریر کی ہیں، تاکہ قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ کی عبارات اور میرے لب و لہجے میں واضح اِمتیاز قائم رہے۔ ساتھ ہی ساتھ بعض مقامات پر عبارات کی مزید توضیح کے تقاضے پورے کرتے ہوئے، چند جملے حواشی میں لکھے ہیں۔

اسی طرح قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ نے آیاتِ قرآنیہ نقل کرتے ہوئے، ان کے ترجمے لکھنے کی پابندی بھی کی ہے، تاہم بہت سارے ایسے مقامات بھی تھے، جہاں انھوں نے قرآن کی آیات کا ترجمہ چھوڑ دیا تھا۔ اسلوبِ کتاب میں یکسانیت اور اردو داں طبقے کی سہولت کے پیشِ نظر اپنی کتاب ''فیضان القرآن'' سے ترجمے نقل کر دیے ہیں اور امتیاز کے لیے قوسین میں ''فیضان القرآن'' بھی لکھ دیا ہے، تاکہ کسی طرح کا کوئی اِلتباس نہ ہونے پائے۔ خیال رہے کہ ''فیضان القرآن'' صرف ترجمہ نہیں ہے، بل کہ 'ترجمہ بیانیہ' ہے، جس میں قرآنی الفاظ کے مفاہیم کی ترجمانی خوب صورت اسلوب میں کی گئی ہے۔

اخیر میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ متذکرہ کتاب کی ترتیب و تحقیق کے دوران میرے پیش نگاہ دو مخطوطات رہے ہیں:

۱- کلکتہ سے شائع ہونے والے ''جام نور'' کے لیے لکھی گئی تفسیر سورۂ فاتحہ کا قلمی نسخہ، جو چھوٹے سائز کے صفحات پر مشتمل ایک کاپی میں ہے۔ نسخہ میں جگہ جگہ عبارتیں قلم زد کی گئی ہیں، نئے نئے جملے لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں پیراگراف بھی تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ نے

Marfat.com

اِبتدا میں اسی پر نظرِ ثانی کر کے "تفسیر اُمّ القرآن" کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

۲- دوسرا نسخہ بڑے سائز کے ۷۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ والدِ گرامی علیہ الرحمۃ کی نقاد طبیعت جب پچھلے نسخہ پر نظرِ ثانی سے سیر نہیں ہوئی، تو زیادہ وضاحت کے ساتھ اسے از سرِ نو لکھنا شروع کر دیا، جو کہ مکمل نہیں ہو سکا۔

مَیں سراپا ممنون ہوں صاحبِ طرز نقاد حضرت علامہ کوکب نورانی مدظلہ العالی کا، جنھوں نے اپنی عدیم الفرصت زندگی سے چند قیمتی لمحات نکال کر اس کتاب کے حوالے سے اپنی گراں قدر رائے سے نوازا۔

والدِ گرامی علیہ الرحمۃ کی دیگر کتابوں کی طرح اِس مجموعہ کی پروف ریڈنگ بھی میری اہلیہ نے کی ہے، جس کے لیے مَیں تہِ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔

واہب لایزال سبھوں کو اجرِ جزیل عطا فرمائے! آمین!

خیر اندیش

غلام زرقانی قادری

ہیوسٹن، امریکہ

۲۸/اکتوبر ۲۰۱۳ء

Marfat.com

عکسِ جمال

خطیب العالم علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی

تفسیر: ف۔س۔ر۔فعل فسّر سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔اس کا معنی و مفہوم کھولنے، حجاب ہٹا دینے، عبارت کے مطلب کو واضح کرنے، کلام کے مطالب بیان کرنے کا بتایا گیا ہے، یعنی جس سے کتاب اللہ کے متن کو صحیح سمجھا جا سکے۔تاویل کا لفظ خود قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔

تفسیر کی چار صورتیں ہیں؛ تفسیر قرآن بالقرآن، تفسیر قرآن بالحدیث، تفسیر قرآن بالاجماع، تفسیر قرآن بہ اقوال مجتہدین۔

قرآن اپنے بعض کی خود تفسیر کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا، ان جیسا علم وفہم والا کوئی نہیں۔علماے حق کا جس مطلب پر اتفاق ہوا۔اُمت مسلمہ میں علوم و معارف کے حوالے سے وہ ہستیاں جنھیں درجہ اِجتہاد و اِستناد حاصل تھا اور وہ خوفِ اِلٰہی رکھتے ہوئے حق وصواب کے لیے محنت کرتے تھے۔

اکیس علوم وفنون میں بہ تمام وکمال مہارت والے کو ترجمہ وتفسیر کا اہل گردانا جاتا تھا۔نادہندوں کے تراجم وتفاسیر نے انتشار وافتراق اور فتنہ وفساد کی راہیں کھولی

Marfat.com

ہیں۔ عقلی پہلو کو نقلی پہلو پر ترجیح دینا، تفسیر بالرائے، اٹکل پچو یعنی ظن و تخمین کی بنیاد پر بات کرنا، روایت و درایت کی فہم سے عاری، شخصی فہمِ معانی، یعنی اپنی طرزِ فہم کو اہم اور مقدم سمجھنا، بل کہ اسے ہی صحیح قرار دینا اور اپنی شخصیت کے آثار، تفسیر پر نقش کر دینا، اپنے کسی خاص مقصد کے پیچھے ایسے پڑ جانا کہ کتاب اللہ کے مقصود سے دور کر دینا اور سہل نگاری کو ترجیح دینا، ایسے سلسلے تھے کہ ان سے صحیح عقیدے متاثر ہوئے اور جانے کتنے فرقے اور گروہ وجود میں آ گئے۔

ستم اتنا بڑھا کہ کھلاڑی اور گلوکار جو عربی سے بھی نابلد تھے، یہ کام کرنے لگے، حالاں کہ جو خود مفسر نہیں، صرف ناقل ہے، اسے بھی حد درجہ احتیاط لازم ہے۔ فی زمانہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے لیے یہی کہوں گا کہ الامان الحفیظ۔

ایمان کی حفاظت کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مسلمان کے صحیح عقیدے میں خرابی یا تشکیک پیدا کرنے کی جسارت و جرأت بہت سنگین جرم اور اس کا وبال بہت شدید ہے۔ صحیح العقیدہ علمائے حق نے ہر دور میں بدعقیدگی کی ایسی سازشوں کا تعاقب کیا اور انھیں بے نقاب کیا ہے۔ اسی حوالے سے زیر نظر ''تفسیر ام القرآن'' بھی قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی عمدہ کاوش ہے۔ انھیں ''رئیس القلم'' تسلیم کیا گیا اور ان کی نگارشات صحتِ عقائد کے باب میں قابل قدر شمار ہوئیں۔ ان کی مثالی خدمات کی ایک تفصیل ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے اپنے زرنگار قلم سے سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی لکھی ہے، جسے ان کے لائق فائق فرزند فاضل نوجوان حضرت مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی ترتیب دے کر زیور طباعت سے آراستہ کر رہے ہیں۔

مولانا غلام زرقانی سے چند برس پہلے ہیوس ٹن، امریکا میں ملاقات ہوئی۔ دھان پان سے مختصر جسامت والے، مگر اپنی قابلیت میں قد و قامت رکھتے ہیں۔ ملن سار، وضع دار اور مہمان نواز، دوست شخصیت ہیں۔ باوجود اپنے مشاغل کی بہتات کے، کتاب و قلم سے ناتا جوڑے ہوئے ہیں اور تحریر و تصنیف میں اپنے باکمال والد

Marfat.com

گرامی علیہ الرحمۃ کا عکس ہیں۔ ادھر دہلی میں ان کے برادر زادے مولانا خوش تر نورانی اپنی دھاک جمائے ہوئے ہیں۔

ماہ محرم الحرام کے پہلے عشرے میں اتنی مہلت نہیں ملی کہ اس تفسیر کے محاسن کا علاحدہ ذکر کرتا۔ گمان گزرتا ہے کہ حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کو اس تفسیر پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا، ورنہ جہاں جہاں کچھ تشنگی محسوس ہوئی، وہ مزید لکھتے۔ مرتب کرنے والے (مولانا غلام زرقانی) کی دیانت کا اعتراف ضروری ہے کہ انھوں نے اصل میں دخل نہیں دیا، بل کہ حاشیہ میں اپنی دانست اور تحقیق بیان کر دی اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کی، وہاں اسی موضوع پر اپنے والد گرامی علیہ الرحمۃ کی مطبوعہ تحریر شامل کر دی اور اس کا حوالہ بھی درج کر دیا۔ تخریج و تحقیق اور تفتیش آسان کام نہیں، کمپیوٹر نے کچھ سہولت ضرور کی ہے، لیکن اتنی بھی نہیں کہ اسی پر انحصار ہو۔ ان کی اس محنت نے قارئین اور محققین، ہر دو کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

تفسیر میں عقلی دلائل سے بھی مفہوم واضح اور آسان کیا گیا ہے اور صحیح عقائد و اعمال کے بیان کا التزام بھی رکھا گیا ہے، جس سے آلودہ اذہان کی طہارت ہو گی۔ تحریر میں روانی ایسی کہ چاشنی برقرار رہی۔ فضائل کے عنوان سے ''فاتحۃ الکتاب'' کے معنی انھوں نے ''کتاب کھولنے والی'' تحریر کیے ہیں اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر انھوں نے ایسی لکھی ہے، جو جانے کتنے قلوب واذہان کے بند قفل کھولے گی۔

کتاب میں بنی اسرائیل کے ایک بد چلن لڑکے کا واقعہ درج ہے۔ بہت کم سن تھا جب یہ واقعہ سنا تھا، اپنی ماں جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہا کے وصال پر میں نے جو کتاب ترتیب دی، اس میں بھی اسے شامل کیا۔ حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ واقعہ میرے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

تفسیر کے آخر میں ''فقہی مسائل'' کا باب خاصے کی چیز ہے۔ سورہ فاتحہ کی اس مختصر مگر پُر اثر تفسیر سے یقیناً بہت سے استفادہ کریں گے اور مرتب کے لیے دعا گو

Marfat.com

ہوں گے۔

خلیفۂ رابع مولائے کائنات سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جو کچھ پورے قرآن میں ہے، وہ سورۂ فاتحہ میں ہے۔ جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ جو کچھ بسم اللہ میں ہے، وہ اس کی ب میں ہے۔ مَیں اگر اس کی تفسیر لکھوں، تو اتنی کتابیں ہو جائیں کہ ۷۰ اونٹ نہ اٹھا سکیں۔

حضرت رئیس القلم فرماتے ہیں:

"گہرائی میں اتر کر سوچیے تو سورہ فاتحہ کا یہ اجمال دونوں جہاں کی تفصیلات پر حاوی ہے۔"

یوں اِس تفسیر کو ایک جھلک کہیے اور اندازہ کیجیے کہ اس اجمال کی تفصیل میں کیا کیا نہ ہو گا۔

قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی اس تحریر کی اِشاعت پر یہ فقیر مولانا غلام زرقانی کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

فجزاہ اللہ خیر الجزا۔

Marfat.com

فضائل

مختلف تفاسیر کی صراحت کے مطابق اس سورۂ مبارکہ کے اٹھارہ نام ہیں۔ اور چوں کہ نام کی کثرت نام والے کی عظمت وفضیلت پر دلالت کرتی ہے، اس لیے یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ قرآنِ کریم کی تمام سورتوں میں ایک منفرد اور بلند و بالاشان رکھتی ہے۔

اب ذیل میں ناموں کی تفصیلات اور ہر نام کی الگ الگ وجوہ ملاحظہ فرمائیں!

فاتحة الكتاب:

اس کے معنی ہیں: کتاب کو کھولنے والی۔ چوں کہ کتابِ الٰہی کا اِفتتاح اِس سورۂ مبارکہ سے ہوتا ہے، اِس لیے اس کا نام فاتحة الكتاب ہے۔

الفاتحة:

اس کے معنی ہیں: کسی چیز کا اِفتتاح کرنے والی۔ چوں کہ اِسی سورت سے نماز کا اِفتتاح ہوتا ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ اور اس لیے بھی اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ یہ اس حمد پر مشتمل ہے جس سے ہر کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے مروّجہ طریقہ کو فاتحہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں دوسری سورتوں کے علاوہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھی جاتی ہے۔

Marfat.com

السبع المثانی:

اس کے معنی ہیں: وہ سات چیزیں جو مکرر ہوں۔ علمائے مفسرین نے اس نام کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ دوبار نازل ہوئی۔ ایک بار ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں اور دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں، جیسا کہ صاحب مدارک نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور چوں کہ یہ سورت سات آیات پر مشتمل ہے، اس لیے اس کا نام السبع المثانی ہے۔

بعض علما نے فرمایا ہے کہ اس سورت کو السبع المثانی اس لیے بھی کہتے ہیں کہ ابتدا میں نمازیں شفعہ شفعہ یعنی دو دو رکعت کر کے فرض ہوئی تھیں اور ہر شفعہ میں یہ سورت دو بار پڑھی جاتی تھی۔

اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ السبع المثانی نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت دو طرح کے مضامین کا مجموعہ ہے، جس کا نصف حصہ بندوں کی طرف سے رب کی ثنا پر مشتمل ہے اور نصف حصہ رب کی طرف سے بندوں کے لیے عطا پر مشتمل ہے۔

سورۃ الحمد:

اس سورت مبارکہ کا آغاز چوں کہ حمدِ اِلٰہی سے ہوتا ہے، اس لیے اسے سورۃ الحمد سے بھی جانا جاتا ہے۔

سورۃ الشکر:

یہ سورۂ مبارکہ حمد الٰہی پر مشتمل ہے اور حمد وثنا ادائے شکر کا بہترین ذریعہ ہے، اس لیے اس کا ایک نام سورۃ الشکر بھی ہے۔

سورۃ الکنز:

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم نے اس سورت

Marfat.com

کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ

نزلت سورة الفاتحة من تحت کنز العرش۔

یعنی سورۂ فاتحہ اس خزانہ سے نازل ہوئی، جو عرش کے نیچے ہے۔

اسی لیے اس سورت کا نام کنز العرش یعنی ''عرش کا خزانہ'' بھی ہے۔ ۱

سورة التفویض:

تفویض کے معنی ہیں: ''سپرد کرنا''، چوں کہ بندہ اس سورۂ مبارکہ میں ''ایاك نستعین'' کہہ کر اپنے سارے معاملات کو حضرت حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے، اس لیے اس کا نام سورة التفویض بھی ہے۔

سورة الشافیة:

شافیہ کے معنی ہیں: ''شفا بخشنے والی'' ۔اس سورۂ مبارکہ کو شافیہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

فاتحة الکتاب شفاء من کل داء۔

یعنی سورہ فاتحہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ چناں چہ بزرگان دین اور صوفیہ

۱۔ یہ روایت اتقان میں کچھ اس طرح ہے:

''نزلت فاتحة الکتاب بمکة من کنز تحت العرش۔''

یعنی یہاں عبارت میں سبقت قلم کی وجہ سے لفظ ''تحت'' کے بعد لفظ ''کنز'' مکتوب ہے، جسے پہلے ہونا چاہیے۔(اتقان فی علوم القرآن، ج:۱،ص:۸)

ویسے ایک مرفوع روایت بھی ہے، جسے صاحب مجمع الزوائد نے یوں روایت کیا ہے:

''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ....و اعطیت فاتحة الکتاب و خواتیم سورة البقرة من کنز تحت العرش......''

یعنی مجھے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں، جو عرش کے نیچے کے خزانے سے ہیں۔

(مجمع الزوائد، ج:۱،ص:۳۱۲)

Marfat.com

کرام اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ کیسی ہی بیماری کیوں نہ ہو، چینی کی طشتری پر زعفران وگلاب سے سورۂ فاتحہ لکھ کر چالیس دن تک کسی بیمار کو پلا دیا جائے، تو وہ ضرور شفایاب ہو جائے گا۔ ا

سورة الرقية:

رقیہ کے معنی جھاڑ پھونک اور افسوں کے ہیں۔ چناں چہ حدیثوں میں منقول ہے کہ صحابہ کرام نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ کر مرگی والے اور سانپ کے کاٹے ہوئے پر دم کیا اور وہ فی الفور اچھا ہو گیا۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ کا نام سورۃ الرقیہ بھی ہے کہ وہ باطنی اور ظاہری ہر طرح کے امراض کا علاج ہے۔ ۲

سورة الاساس:

اساس کے معنی بنیاد کے ہیں۔ چوں کہ یہ سورۂ مبارکہ نماز کے لیے بنیاد ہے کہ بغیر اس کے پڑھے نماز مکمل ہی نہیں ہوتی، یا اس لیے اس کا نام سورۃ الاساس ہے کہ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔

سورة الصلاة:

نماز میں یہ سورت لازماً پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس کا نام اساس الصلوٰۃ ہے۔

سورة القرآن:

چوں کہ یہ سورۂ مبارکہ سارے قرآن کے مضامین کا خلاصہ ہے، اس لیے اس کا نام سورۃ القرآن بھی ہے۔

ا- ''مسند دارمی'' کی روایت میں حرف ''فی'' کا اضافہ ہے اور عبارت یوں ہے:
''فی فاتحة الكتاب شفاء من كل داء۔'' (دارمی، ج:۲،ص:۴۴۵)

۲- دیکھیے؛ بخاری، ج:۲،ص:۷۹۵، شعب الایمان للبیہقی، ج:۲،ص:۵۳۵

Marfat.com

سورۃ المناجات:

چوں کہ بندہ اس سورۂ مبارکہ کی آیات کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، اس لیے اس کا نام سورہ مناجات بھی ہے۔

سورۃ تعلیم المسئلة:

چوں کہ اس سورۂ مبارکہ میں خدائے کردگار نے اپنے بندوں کو حمد وثنا اور اپنے دربار میں طلب وسوال کے طریقے کی تعلیم دی ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ تعلیم بھی ہے۔

سورۃ الکافیة:

حدیث میں آیا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کا پڑھنا قرآن کی جملہ سورتوں کے لیے کافی ہے، اس لیے اس کا نام سورۃ الکافیہ بھی ہے۔ ا

سورۃ ام الکتاب:

چوں کہ سارے قرآن کریم کی تفصیلات کا خلاصہ اس ایک سورت میں موجود ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ ام الکتاب بھی ہے۔

ا- امام جلال الدین سیوطی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ عبارت یوں ہے:

"ام القرآن عوض من غیرھا و لیس غیرھا منھا عوضا"

یعنی سورۂ فاتحہ دوسری سورتوں کے لیے بدل ہے، لیکن دوسری سورتیں اس کے لیے نہیں۔

(الفتح الکبیر، ج:۱، ص:۲۶۲)

اسی طرح حضرت یحییٰ بن کثیر سورۂ فاتحہ کے بارے میں کہتے ہیں:

"لانھا تکفی عن سواھا و لا یکفی سواھا عنھا"

یعنی سورۂ فاتحہ دوسری سورتوں کے لیے کافی ہے، لیکن یہ دوسری سورتوں کے لیے نہیں۔

(تفسیر قرطبی، ج:۱، ص:۱۰۸)

Marfat.com

سورة الوافية:

وافیہ کے معنی ہیں: ''بھرپور نفع دینے والی''۔ چوں کہ یہ سورہ اپنے پڑھنے والے کو بھرپور نفع دیتی ہے، اس لیے اسے وافیہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

سورة ام القرآن:

نام وہی ہے، صرف کتاب کی جگہ ''قرآن'' ہے۔ ام القرآن نام کی وجہ بھی وہی ہے، جو ام الکتاب کی ہے۔

15464 5

Marfat.com

سورۂ فاتحہ
کے
بنیادی مضامین

سورۂ فاتحہ چار بنیادی مضامین پر مشتمل ہے:

۱- حمد

۲- عقیدۂ اخرت

۳- اِعتراف بندگی

۴- دُعا

اب اِن چاروں مضامین کی تشریح ترتیب وار ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

Marfat.com

Marfat.com

حمد

اس سورت میں بندوں کو نہایت شفقت آمیز پیرایے میں دعا کی تلقین کی گئی ہے۔لیکن حمد وستائش سے کلام کا آغاز اس لیے ہوا ہے کہ دعا سے پہلے دعا کے آداب سکھا دیے جائیں۔ چوں کہ دعا بندے کی خود اپنی غرض ہے اور یہ بات عقل وتہذیب کی رو سے قطعاً نامناسب ہے کہ آدمی منہ کھولتے ہی اپنی غرض بیان کرنا شروع کردے۔اس لیے بندوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ خدا کے سامنے طلب وسوال کے لیے منہ کھولنے سے پہلے اس کی تسبیح وتقدیس اور حمد وثنا بجالائیں، تاکہ کلام کی ابتدا مہذب پیرایے میں ہو۔

حمد کے لغوی معنیٰ اور انداز بیان کی خوبی:

ذاتی کمالات اور اختیاری خوبیوں کے اظہار کا نام حمد ہے۔انسانی احساسات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی کی تعریف وستائش کے لیے دو چیزیں لازمی ہیں؛ خوبیوں کا علم اور احسان مندی کا تعلق، خوبیوں کا علم ہی نہ ہو تو ستائش کس بات کی اور خوبیوں کا علم بھی ہو، تو اسے بیان کرنے کے لیے کوئی محرک ضروری ہے اور وہ ہے ممدوح کے ساتھ احسان مندی کا تعلق۔

اس لحاظ سے ہمارے لیے کسی بھی پیکر محسوس کی تعریف کرنا بہت آسان ہے کہ

Marfat.com

اس کی خوبیوں سے بھی ہم واقف ہیں اور اس کے احسانات بھی ہماری نظر کے سامنے ہیں۔لیکن ایک ایسی ہستی جو ہماری نگاہوں سے بالکل اوجھل، نہ اس کی ذات ہمارے مشاہدے میں آسکے اور نہ اس کی خوبیوں سے باخبر ہونے کے لیے ہمارے پاس کوئی محسوس ذریعہ ہو اور نہ ہی اس کے انعامات واحسانات ہی ہم بہ راہ راست کھلی آنکھوں سے دیکھ سکیں، ایسی اَن دیکھی ہستی کی تعریف اور وہ بھی دل کے حقیقی تاثرات کے ساتھ، جتنی مشکل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں، لیکن قربان جایئے قرآن کے انداز بیان پر، کہ خدائے کردگار کو کائنات ہستی کا پروردگار (رب العالمین) کہہ کر اس نے ساری مشکل آسان کردی۔

یہ صحیح ہے کہ پروردگار کی ہستی آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اس کی پروردگاری تو ہر نگاہ جلوہ پرست کے مشاہدے میں ہے ....رحمٰن ورحیم کو ہم نہیں دیکھ سکتے، لیکن اس کی رحمت کا حسن بے نقاب کس کی نظر سے مخفی ہے........نرم و نازک کونپل سے لے کر تناور درخت تک........خاموش کلی سے لے کر ہنستے ہوئے غنچے تک.......کالی گھٹاؤں سے لے کر موسلا دھار بارش تک........ ہلال کے ابروئے خم دار سے لے کر بدر کے عارض تاباں تک........ بیج کے دانے سے لے کر خوشۂ گندم تک........ جوہر حیات کے ایک قطرہ سے لے کر جان دار ہیکل تک........شیر خوار بچے سے لے کر قوی الجثہ جوان اور سن رسیدہ بوڑھے تک........؛ موجودات کے مختلف طبقات کے اندر جو ایک تدریجی ارتقا کا عمل شب و روز جاری ہے........ یہ آنکھ سے نظر آنے والی پروردگاری اور محسوس ہونے والی رحمت کا جمال نہیں ہے، تو اور کیا ہے؟

ردائے لالۂ و گل پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

پھر اگر یہ غلط ہے کہ تصویر تو موجود ہے، لیکن مصور نہ ہو.... مسیحائی کھلی آنکھوں سے نظر آرہی ہو، لیکن کوئی مسیحا نہ ہو......فرماں روائی ہر طرف سکے بٹھا رہی ہو، لیکن

Marfat.com

کوئی فرماں روانہ ہو...... تو یہ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کہ پروردگاری تو ہر گوشۂ کائنات میں موجود ہو، لیکن کوئی پروردگار نہ ہو...... کارسازی کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی ہو، لیکن کوئی کارساز نہ ہو...... بساطِ ہستی قدم قدم پر جلوۂ رحمت سے آراستہ ہو، لیکن کوئی رحمٰن و رحیم نہ ہو...... اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ کائنات میں جب ہر طرف پروردگاری موجود ہے، تو کوئی پروردگار بھی ضرور ہے...... جب شش جہات میں ہر طرف رحمتوں کے آثار موجود ہیں، تو کوئی رحمٰن و رحیم بھی ضرور ہے...... فرق صرف اتنا ہے کہ آثار نظر کے سامنے ہیں، مؤثر نگاہوں سے اوجھل ہے...... آثار پر مشاہدہ گواہ ہے، مؤثر کے وجود پر عقل شاہد ہے۔

رُبوبیت سے اُلوہیت پر قرآن کا اِستدلال:

چناں چہ قرآن حکیم نے سورۂ ''الناس'' میں اسی ترتیب سے خدا کی الوہیت پر دلیل قائم کی ہے۔ طریقۂ اِستدلال ملاحظہ ہو:

''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، اِلٰهِ النَّاسِ۔''

''اے نبی! آپ کہیے کہ مَیں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی، اِنسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی۔''

پروردگاری کا علم چوں کہ انسانی محسوسات کا سب سے پہلا مشاہدہ ہے، اس لیے اسے پہلے ذکر کیا۔ کیوں کہ اسے تسلیم کرنے کے لیے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں، صرف آنکھ کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

خدا کی اُلوہیت پر قرآن کریم نے عقلی استدلال کی جو ترتیب قائم کی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ پروردگاری مشاہدہ سے ثابت ہوئی، پروردگار حقیقی کا وجود اس کے نتیجے میں تسلیم کرنا پڑا۔

Marfat.com

۲- اس کائنات ہستی میں جب ایک پروردگار کا وجود تسلیم کرلیا گیا ہے، تو لامحالہ اسی کو مالک بھی قرار دینا پڑا، کیوں کہ یہ بات عقل وانصاف دونوں سے بعید ہے کہ پرورش کرنے والا کوئی اور ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے۔ اس لیے ماننا پڑا کہ جو پروردگار ہے، وہی مالک بھی ہے۔

۳- جب کائنات ہستی کے پروردگار کو مالک بھی مان لیا گیا، تو عقل کہتی ہے کہ طاعت وبندگی کا سر بھی اب اسی کے آگے جھکنا چاہیے، کیوں کہ یہ بات اخلاقی اصول کے علاوہ غیرت انسانی کے بھی خلاف ہے کہ مالک کوئی اور ہو اور طاعت وبندگی کسی دوسرے کی کی جائے۔ اپنے مالک کو چھوڑ کر دوسرے کی تابع داری انتہا درجہ کی احسان فراموشی اور اخلاقی رذالت، کی بات ہے۔ اس لیے ماننا پڑا کہ جو مالک ہے، وہی معبود بھی ہے۔

قرآن کے اسی طریقۂ استدلال پر ایک بار پھر نظر ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ بات مشاہدہ سے شروع ہوئی اور عقل تک پہنچی۔ عقل نے مشاہدہ کی مدد سے پروردگار کا وجود تسلیم کیا۔ پھر عقل ہی نے اسے مالک ٹھہرایا اور آخری مرحلے میں عقل کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہی معبود بھی ہے۔

عقل شکستہ پا صرف پروردگار، مالک اور معبود کے مفہوم تک پہنچ سکی، اس کا مصداق اور نام بتانے سے قاصر تھی۔ قرآن نے حقیقت کا پردہ اٹھایا اور صاف صاف بتا دیا کہ انسانوں کے پروردگار، انسانوں کے مالک اور انسانوں کے معبود کا نام ''اللہ'' ہے۔

اور بغیر دلیل وبرہان کے آپ ہی آپ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جو کائنات کے سب سے معزز ترین طبقے کا پروردگار، مالک اور معبود ہے، لازماً کائنات کے باقی حصے کا بھی وہی پروردگار، مالک اور معبود ہے، کیوں کہ کائنات کے ہر طبقے کا بلاشرکتِ غیرے وہی پروردگار ہے۔ اب یہ بات دلیل سے ثابت ہوگئی کہ ساری کائنات کا جو پروردگار ہے، ساری خوبیوں کا سزاوار بھی وہی ہے۔ اس لیے ہر طرح کی ستائش اور

Marfat.com

ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

ایک نہایت اہم سوال اور اس کا جواب:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔"

"ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔"

یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پرورش کا مرحلہ تخلیق کے بعد آتا ہے، اس لیے یہاں "رب العٰلمین" کے بہ جائے "خالق العٰلمین" (سارے جہانوں کا خالق) ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ جب تک کوئی چیز عدم سے وجود میں نہ آجائے، اس کی پرورش کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

جواباً عرض کروں گا کہ سورۂ فاتحہ صرف تلاوت کے اِعتبار سے قرآن کی پہلی سورت ہے، ورنہ نزول کے اِعتبار سے سب سے پہلی سورت "علق"، جس میں نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ کائنات کا خالق اللہ ہے۔ اس لیے اب یہ بات پردۂ خفا میں نہیں ہے کہ عالمین کا خالق کون ہے۔ جیسا کہ سورۂ علق کی اِن آیتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔"

"اے نبی! اپنے رب کے نام سے پڑھیے، جو سب کا خالق ہے، جس نے انسان کو پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔"

یہ بات سمجھ لینے کے بعد اب یہاں رب العٰلمین کے کلمہ میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، انھیں سمجھیے:

کلمہ ربّ العٰلمین کی پہلی حکمت:

پہلی حکمت یہ ہے کہ تخلیق کا عمل خدا کے یہاں ایک لمحے کا ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

Marfat.com

''اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ۔'' ۱

''جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ اسی لمحے ہو جاتی ہے۔''

لیکن پرورش کا عمل ہر لحہ جاری رہتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک پرورش کرنے والا اسے باقی رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں پرورش کے معنی کسی چیز کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اس کے حال کے مناسب اسباب فراہم کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ''روح المعانی'' میں ہے:

''تبليغ الشيء الٰى كماله بحسب استعداده الازلى شيئا فشيئا۔'' ۲

یعنی کسی چیز کو اس کی فطری صلاحیت کے مطابق بہ تدریج مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔

اور اس میں دو رائے نہیں ہے کہ جو چیز جس کے ذریعہ باقی رکھی جاتی ہے اور بہ تدریج مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے، وہ اپنی بقا اور مرتبۂ کمال تک پہنچنے میں ہر لحہ اس کی محتاج ہوگی۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ سارے جہانوں کا پروردگار کہہ کر قرآنِ کریم بنی نوع اِنسان کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ لفظ ''کن'' کے ذریعہ اس عالم ہستی کو عدم سے وجود میں لانے کے بعد خدائے کردگار اپنی مخلوق سے بے تعلق نہیں ہو گیا ہے، بل کہ جس طرح یہ عالم امکاں اپنے وجود میں آنے کے لیے ایک ذات واجب الوجود کی توجہ کا محتاج تھا، اسی طرح اپنے وجود کو باقی رکھنے اور اپنے آپ کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے بھی

۱- قرآنِ کریم، سورت: ۳۶، آیت: ۸۲

۲- مجھے یہ عبارت تفسیر ''روح البیان'' میں ''ادعو ربکم....'' کے تحت لفظ ''رب'' کی تشریح کے ذیل میں ملی ہے۔ دیکھیے، روح البیان، ج: ۳، ص: ۱۷۰

Marfat.com

وہ ہر لمحہ خدائے قادر وقیوم کی رحمت وکرم کا محتاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں کلمہ ''رب العٰلمین'' کے ذریعہ قرآن ذہن انسانی کو اس حقیقت کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے کہ اس عالم امکاں پر خدائے قدیر کا صرف یہی احسان نہیں ہے کہ اس نے وجود بخشا، بل کہ مزید احسان یہ ہے کہ وہ اسے نقطۂ ارتقا پر پہنچانے کے لیے ہر لمحہ اس کی نگرانی بھی فرمارہاہے اور اسے درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ بھی پردۂ غیب سے مہیا فرمارہا ہے۔ ان ساری بحثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ مخلوقات پر خدا کے احسان وکرم کی ہمہ وقتی بارش اور اپنے وجود کے بقا اور اِرتقا کے لیے خدا کی طرف ہر لمحے اِحتیاج کے مفہوم کو جتنی وضاحت وصراحت کے ساتھ ''رب العٰلمین'' کا کلمہ ادا کرتا ہے، ''خالق العٰلمین'' کا لفظ ادا نہیں کرسکتا تھا۔

کلمہ ربّ العٰلمین کی دوسری حکمت:

دوسری حکمت یہ ہے کہ کلمۂ ''رب العٰلمین'' کے ذریعہ ''ربوبیت'' سے ''خالقیت'' کی جانب بھی خاموش اِشارہ ہورہا ہے، وہ یوں کہ کون کس کا پیدا کرنے والا ہے، اس کا علم بہت حد تک پرورش ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی انسان سے اگر دریافت کیا جائے کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہوا کہ عبداللہ تمھارا باپ ہے اور فاطمہ تمھاری ماں؟ تو وہ جواب میں یہی کہے گا کہ نہ ہمیں یہی معلوم تھا کہ کس کے صلب سے کب اور کہاں ہم منتقل ہوئے اور نہ ولادت کے وقت ہی ہمیں اس بات کا شعور تھا کہ ہم کس کے بطن سے جنم لے رہے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد جب ہم پرورش کے مراحل سے گزرنے لگے، تو چند چہرے ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت ہم اتنے بے شعور تھے کہ چہروں سے بھی ہم نہیں پہچان سکتے تھے کہ کون کیا ہے، لیکن ہر لمحہ کی پرسوز توجہ اور لگاتار عنایتوں، محبتوں، شفقتوں اور رحمتوں نے ہمیں ان چہروں سے مانوس کردیا۔ جب شعور کی منزل کی جانب ہم نے قدم بڑھایا، تو بہ تدریج ہم ان

Marfat.com

چہروں کو بھی پہچاننے لگے جن کے ہاتھوں سے ہمیں آرام ملتا تھا اور جن کے ذریعہ ہماری تکلیف دور ہوتی تھی۔

ہمارا ذہنی شعور جب اور بالغ ہوا تو ہم اپنے گرد و پیش کی چیزوں کے ساتھ ساتھ خاندان کے رشتوں سے بھی واقف ہوئے۔ گھر کے افراد میں ہم سب سے پہلے اپنے ماں باپ سے اس حیثیت سے روشناس ہوئے کہ وہی ہماری دیکھ بھال کر رہے ہیں اور وہی ہماری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنی تکلیف میں انھی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے انھی کے سامنے ہمیں مچلنا چاہیے۔ اِبتدا میں ہمیں اس کا بھی کوئی شعور نہیں تھا کہ ان دونوں میں ایک کو ماں اور دوسرے کو باپ کہنا چاہیے۔ جب ہمارے اندر قوتِ گویائی پیدا ہونے لگی تو گرد و پیش کے لوگوں نے یہ الفاظ ہماری زبان پر چڑھا دیے۔ اس طرح ہم اپنی ماں کو ماں اور اپنے باپ کو باپ کہنے لگے۔

لاشعوری کے نتیجے میں ہم انھیں اپنی زبان سے ماں باپ نہ بھی کہتے، جب بھی اندر کا یہ احساس اپنی جگہ پر بالکل محفوظ تھا کہ وہی ہمیں پال رہے ہیں۔ اور شعور کی پختگی کے بعد جب ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو گئے کہ پرسوز شفقتوں اور صبر آزما تکلیفوں کے ساتھ پالتا وہی ہے، جو پیدا کرتا ہے تو اب یہ عقیدہ ہمارے اندر پوری طرح سرایت کر گیا کہ ہمارے ماں باپ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اور پھر یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہماری زبان میں جنم دینے والے جوڑے کو ماں باپ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ہم نے اس لفظ کا اطلاق کسی غیر پر نہ خود کیا نہ کسی دوسرے کو کرنے دیا۔

یہ ایک بچے کی آپ بیتی ہے، جو تمثیل کے پیرائے میں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اب اسی کی روشنی میں آپ ربّ العٰلمین کے معانی و مطالب کا جائزہ لیں کہ جس طرح ایک بچہ شعور کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد صرف پرورش کے ذریعہ اس حقیقت سے باخبر ہوتا ہے کہ اسے جنم دینے والے کون لوگ ہیں اور جنم دینے والوں کو

Marfat.com

خاندان کی بولی میں کیا کہا جاتا ہے۔

اس تمثیل کو سامنے رکھ کر آپ غور وفکر سے کام لیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خدائے کردگار کو رب العٰلمین کہہ کر قرآنِ کریم سارے انسانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ تمھاری پرورش میں تمھارے ماں باپ کا صرف اتنا ہی حصہ ہے کہ تمھاری نشوونما کے سارے اسباب انھی کے ہاتھوں سے تم تک پہنچے، لیکن تم اگر محسوسات کا چلمن اٹھا کر دیکھو تو تمھیں صاف نظر آئے گا کہ تمھاری زندگی کے اسباب کو عدم سے وجود میں لانے والا دراصل کوئی اور ہے، اور وہی تمھارا حقیقی پروردگار ہے۔

مثال کے طور پر دودھ کا جو قطرہ ماں کے سینے سے تمھارے حلق میں پہنچتا ہے، اس کی بناوٹ پر غور کرو گے تو تم پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ سفید رنگ کا شیریں دودھ اپنی خلقت کے آغاز میں گیہوں کا ایک دانہ تھا، پھر زمین کی رطوبت میں تحلیل ہو کر وہ ایک پودے کی شکل میں اوپر اٹھا، پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی شاخوں سے خوشے پھوٹے، پھر ان میں تھیلیاں بنیں، پھر ان خالی تھیلیوں میں زمین نے جڑ کی باریک نسوں کے ذریعہ دودھ کی طرح سفید رس بھر دیا، پھر کچھ عرصہ تک شبنم کی ٹھنڈک اور سورج کی گرمی کی آمیزش سے وہ پکنا شروع ہوا، یہاں تک کہ وہ ایک دن گیہوں کا دانہ بن گیا۔ جب فصل تیار ہو گئی تو اسے کاٹ کر کھلیان میں جمع کیا گیا۔ وہاں سے گیہوں کے دانے غلہ کی منڈی میں پہنچے، پھر انھیں خرید کر لوگ اپنے گھر لائے، پھر انھیں دو وزنی پتھروں کے درمیان میں پیسا گیا، پھر پانی میں اسے گوندا گیا، پھر آگ کی مدد سے روٹی میں تبدیل ہوا، پھر لقمہ بن کر وہ حلق کے نیچے اترا، پھر معدے میں ہضم ہو کر مختلف منزلوں سے گزرتے ہوئے وہ خون بنا، پھر چند مراحل کے بعد وہ سفید رنگ کے دودھ میں تبدیل ہو گیا۔

اب اس مقام پر یہ سوال چیخ رہا ہے کہ گیہوں کے ایک دانے کو اتنے مراحل سے گزار کر دودھ کی شکل میں تبدیل کرنے والا کون ہے؟ اسی سوال کا جواب قرآن کریم

Marfat.com

نے رب العٰلمین کے ذریعہ دیا ہے کہ یہ ساری کارسازی اس خدائے کردگار کی ہے، جو اپنی بے پایاں حکمت وقدرت کے ساتھ سارے جہاں کا انتظام چلا رہا ہے اور اسی کے قبضے میں اس کارخانۂ ہستی کا ہر پرزہ ہے۔ زمین کی تہوں سے لے کر نظامِ شمسی تک اور عناصر اربعہ سے لے کر جسم انسانی تک، قدرت کی بے شمار مشینیں جب شب وروز گردش کرتی رہیں، تب کہیں جا کر گیہوں کا ایک دانہ دودھ کے ایک سفید قطرے میں تبدیل ہوا۔ اور یہ سارا کارخانہ ایک لگے بندھے نظام کے ساتھ وہی چلا رہا ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور نہ صرف وہ پروردگار ہے، بل کہ سارے جہانوں کا خالق بھی وہی ہے، کیوں کہ جو پیدا کرتا ہے، پرورش کا حق بھی اسی کا ہے۔ اسی لیے قرآن فرماتا ہے:

”وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔“ ۱

”زمین میں جتنی بھی جان دار چیزیں ہیں، سب کی پرورش اللہ ہی کے ذمہ کرم میں ہے۔“

اللہ نام ہے، اسی ذات واجب الوجود کا، جو اکیلا ہے اور وہی ساری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے معبود ہے۔ اسی لیے اب کسی مخلوق پر اس لفظ کا اطلاق اسی طرح احسان فراموشی اور اخلاقی رذالت کی بات ہوگی، جس طرح انسانی معاشرے میں باپ کے لفظ کا اطلاق باپ پر نہ کر کے دوسروں پر کیا جائے۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

جب ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کسی اور کی

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۱۱، آیت: ۶

Marfat.com

تعریف کیوں کی جائے، کیوں کسی نبی اور ولی کی شان میں قصیدۂ مدحیہ پڑھا جائے، کیوں کسی کو رحمۃ للعالمین کہا جائے، کیوں کسی کو صفی اللہ کہا جائے، کیوں کسی کو روح اللہ کہا جائے، کیوں کسی کو خلیل اللہ کہا جائے، جب ساری خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں تو قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اپنے مقرب بندوں کی جو خوبیاں خود خداوند کریم نے بیان فرمائی ہیں، انھیں کس طرح نباہا جائے؟

جب ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، تو کیوں کسی مصنف کی تعریف کی جائے، کیوں کسی مقرر کی تعریف کی جائے، کیوں کسی شاعر کی تعریف کی جائے، کیوں کسی عابد وزاہد کی تعریف کی جائے، کیوں کسی حسین وخوبرو کی تعریف کی جائے، کیوں کسی کو صالح ومتقی کہا جائے، کیوں کسی کو عالم وفاضل کہا جائے، کیوں کسی کو پیکرِ محاسن اور جامع کمالات کے القابات سے ملقب کیا جائے؟

جواباً عرض کروں گا کہ جب ساری مخلوق خدا ہی کی تخلیق کا نتیجہ ہے، تو مخلوق کا ہر کمال خالق ہی کی طرف منسوب ہوگا اور جب اللہ ہی اس پوری کائنات کا صانع حقیقی ہے تو مصنوعات کی ساری خوبیاں صانع کے علاوہ اور کن کی طرف لوٹیں گی! پھر اگر عمارت کی تعریف دراصل معمار کی تعریف ہے، اگر نغمے کی تعریف مغنی کی تعریف ہے، اگر نقش کی تعریف نقاش کی تعریف ہے، اگر شعر کی تعریف فی الحقیقت شاعر کی تعریف ہے، اگر کسی خوب صورت چہرے کی تعریف اس کی نہیں، بل کہ اس کے بنانے والے کی تعریف ہے، تو زمین وآسمان کی مخلوقات میں جہاں جہاں بھی ہمیں کوئی خوبی نظر آتی ہے درحقیقت وہ اس کی نہیں، بل کہ اس کے پیدا کرنے والے کی خوبی ہے۔ اسی طرح جس بندے میں بھی علم وفضل، حسن وجمال، زہد وتقدس اور قدرت وجبروت کا ہمیں کوئی کمال نظر آتا ہے، وہ اس کا اپنا کمال نہیں ہے، بل کہ اس ذات کا کمال ہے جس نے اسے صاحبِ کمال بنایا ہے۔ لامحالہ مخلوقات کی ساری خوبیاں اس ذات کی طرف منسوب ہوں گی، جس نے اپنی مخلوقات میں وہ خوبیاں ودیعت فرمائی ہیں۔ اس لیے مخلوق کی

Marfat.com

جس خوبی کی بھی تعریف کی جائے گی، وہ مخلوق کی نہیں، بل کہ خالق کی تعریف ہوگی۔

قرآن میں جگہ جگہ اربابِ عقل و بصیرت کو دعوت دی گئی ہے کہ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو، کتنی خوب صورت اور جگمگاتی ہوئی چھوٹی بڑی قندیلوں سے ہم نے اسے سجایا ہے۔ زمین کی وسعتوں میں بادہ پیمائی کرو اور قدم قدم پر ہماری حیرت انگیز صنعتوں کے نمونے دیکھو، کبھی پہاڑوں کی بلندیوں پر کمند ڈالو اور کبھی سمندروں کی گہرائی ناپو، کبھی لق و دق ریگستان کے صحرا سے گزرو اور کبھی مہکتے ہوئے سرسبز و شاداب گلستانوں کی سیر کرو، کبھی رنگ بہ رنگ کے طیور و عنادل کی نواسنجیوں سے دل بہلاؤ اور کبھی شیروں کی خوف ناک گرج سے پتہ پانی کرو، کہیں آتش فشاں سے آگ کا اُبلتا ہوا لاوا دیکھو اور کبھی برف کی سفید چٹانوں سے آنکھیں ٹھنڈی کرو، کبھی گرمی میں جھلسو اور کبھی سردی سے کانپو، کبھی تپتی ہوئی زمین پر تلوے جلاؤ اور کبھی پانی کی سیل میں قدم رکھنے کی جگہ تلاش کرو۔

یہ ساری ہدایات صرف اِس لیے جاری کی گئی ہیں تا کہ کائنات کے عجائب و محاسن کا مطالعہ کرنے والے خدائے قادر و حکیم کی قدرت و صنعت کے یہ محیر العقول نمونے دیکھ کر اس کے صانع و خالق کی حکمت و قوت اور اس کی جلالت و جبروت کا اندازہ لگائیں اور قلب و نظر کے اِخلاص کے ساتھ اِعتراف کریں کہ ساری خوبیاں، ساری بڑائیاں اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

صانع کا اپنے مصنوع کے ساتھ تعلق کا ایک واقعہ:

پندرہ سال پہلے کی پرانی بات ہے۔ مَیں کلکتہ سے ایک بار آسام جا رہا تھا۔ دمدم ایئرپورٹ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ کسی فنی خرابی کی وجہ سے جہاز دو گھنٹے تاخیر سے روانہ ہوگا۔ وقت گزارنے کے لیے مَیں ایئرپورٹ کے باہر ٹہلنے لگا۔ دور سے ایک جگہ کچھ لوگوں کی بھیڑ نظر آئی۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک آرٹسٹ کسی نرسری کے اِشتہار کا بورڈ

Marfat.com

لکھتے ہوئے گلاب کا پھول بنا رہا ہے۔ کچھ دیر تک مَیں بھی اس کے قلم کا آرٹ دیکھتا رہا۔ اسی درمیان دیکھنے والوں میں سے ایک شخص بول پڑا کہ یہاں پتی کا سبز رنگ بہت گہرا ہو گیا ہے۔ دوسرے آدمی نے کہا کہ ذرا پھول کی پنکھڑی کو تو دیکھو کتنی بھدی نظر آ رہی ہے۔ دونوں آدمیوں کی بات سن کر آرٹسٹ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے مڑ کر خفگی کے انداز میں دیکھا اور پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو آدمی آئے اور وہ بھی وہاں کھڑے ہو گئے۔ گلاب کا پھول دیکھ کر وہ بے ساختہ بول اٹھے کہ دور سے یہ بالکل سچ مچ گلاب نظر آتا ہے، بس ہاتھ بڑھا کر توڑنے کی دیر ہے۔ یہ سن کر آرٹسٹ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

اپنا کام ختم کر کے جب وہ نیچے اُترا تو مَیں نے اس سے کہا کہ عیب نکالنے والوں نے تو گلاب کے رنگ اور پنکھڑی میں عیب نکالا تھا، تمھیں تو کچھ نہیں کہا تھا، تاہم تمھارے چہرے پہ غصے کے آثار کیوں ظاہر ہو گئے؟ ......اور تعریف کرنے والوں نے بھی پھول کی تعریف کی تھی، تمھارے بارے میں تو ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا، لیکن تم خوشی سے پھول کی طرح کیوں شگفتہ ہوئے؟

اُس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ عیب نکالنے والوں نے میری طرف اُنگلی اٹھائی اور نہ تعریف کرنے والوں نے میری طرف اِشارہ کیا، لیکن کہنے والوں نے جیسے بھی کہا، وہ میرے ہی نوکِ قلم کی جانب اِشارہ تھا کہ مصنوع کی مدح و ذم کو صانع سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لیے جن لوگوں نے مذمت کی ہے، وہ مصنوع کی نہیں، بل کہ صانع کی ہے اور جن لوگوں نے تعریف کی ہے، وہ پھول کی نہیں، بل کہ پھول کے بنانے والے کی ہے۔

کئی دن تک اُس کی یہ آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ اس کے جواب سے مَیں نے اندازہ لگایا کہ صانع کا تعلق اپنے مصنوع کے ساتھ کس قدر نازک ہوتا ہے۔

Marfat.com

خدا کا تعلق اپنے رسول کے ساتھ:

قرآنِ کریم کا مطالعہ کیجیے تو اس طرح کے مقام سے بار بار آپ کو گزرنا پڑے گا کہ اعتراض کرنے والے رسولِ اکرم ﷺ پر اعتراض کر رہے ہیں اور جواب آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ گستاخی کرنے والے رسول کی بارگاہ عزت میں گستاخی کر رہے ہیں اور تنبیہ اُتر رہی ہے خداوند ذو الجلال کی طرف سے۔ عیب لگانے والے عیب لگا رہے ہیں رسول کی ذات پر اور دفاع فرما رہا ہے ربّ کریم۔

اِس حوالے سے چند مقامات کی نشان دہی کر رہا ہوں، ملاحظہ فرمائیں!

پہلا مقام

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے محبوب ترین صحابی ہیں۔ ان کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ بنو کلب کے حارثہ نامی ایک شخص کے صاحب زادہ ہیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے، تو اس وقت ان کی ماں انھیں اپنے مائیکے لے کر گئیں۔ وہاں کچھ لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کر کے ساتھ ساتھ جن لوگوں کو وہ پکڑ کر لے گئے، ان میں حضرت زید بھی تھے۔ پھر ان لوگوں نے عکاظ کے میلے میں لے جا کر انھیں بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم ابن حزام تھے۔ انھوں نے مکہ لا کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں انھیں نذر کر دیا۔ نبی ﷺ سے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا، تو حضور نے ان کے یہاں حضرت زید کو دیکھا۔ ان کی عادت و اطوار آپ کو اتنی پسند آئیں کہ آپ نے انھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مانگ لیا۔ اب ان کے نصیبے کی فیروز مندی دیکھیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اب کائنات کی سب سے مقدس ترین ہستی کی خدمت میں پہنچ گئے، جو چند ہی سال کے بعد خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کا اعلان کرنے والے تھے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر ۱۵ ر سال تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں

Marfat.com

ہے، تو وہ انھیں تلاش کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلا دیتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے گا، تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اسے یوں ہی چھوڑ دوں گا، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہے، اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ انھوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے۔ آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجیے۔ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ نے فرمایا: اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمھیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ ان کے باپ اور چچا نے کہا کہ زید کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص میں جو اوصاف دیکھے ہیں، ان کا تجربہ کر لینے کے بعد اب میں دُنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بہ خوشی راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اسی وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور حرم شریف میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اِعلان فرمایا کہ آپ سب لوگ گواہ رہو کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد لوگ انھیں زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات ظہورِ نبوت سے پہلے کے ہیں۔ پھر جب نبی ﷺ نے منصبِ نبوت پر سرفرازی کا اِعلان فرمایا تو چار ہستیاں ایسی تھیں، جنھوں نے کسی شک اور تردّد کے بغیر سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ ان میں سے ایک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر تیس سال تھی اور

Marfat.com

حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے ہوئے انھیں پندرہ سال گزر چکے تھے۔ ہجرت کے بعد چوتھی ہجری میں نبی پاک ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا۔ اپنی طرف سے ان کا مہر ادا کیا اور گھر بسانے کا ساز وسامان بھی انھیں مرحمت فرمایا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا چوں کہ خاندانِ قریش کی نہایت غیور خاتون تھیں، اس لیے جب حضور ﷺ نے ان کے سامنے حضرت زید کے ساتھ نکاح کی پیش کش فرمائی، تو انھوں نے اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب آپ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینب نے کہا کہ

انا خير منه نسبا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ انھوں نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ

لا ارضاه لنفسي و انا ايم قريش۔

یعنی میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی کہ میں قریش کی شریف زادی ہوں۔ ١

اسی طرح کا اِظہارِ ناراضا مندی ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی کیا تھا، اس لیے کہ حضرت زید حضور کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب حضور کی اپنی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور اس کا پیغام ایک آزاد کردہ غلام کے لیے دیا جا رہا ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

١- طبقات ابن سعد، ج:٨،ص:٤٢

یہی حدیث مستدرک للحاکم میں یوں مذکور ہے:

"لا ارضاه و كانت ايم قريش"

اس روایت سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ "قریش کی شریف زادی ہوں" کے الفاظ ان کے اپنے نہیں ہیں۔ (مستدرک، ج:٤،ص:٢٤)

Marfat.com

”وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا“ ۱

”اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں اپنا حکم صادر فرمائے تو اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔“

یہ آیت کریمہ سنتے ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان والوں نے فوراً سرِ اِطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھایا اور خود حضرت زید کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر ادا کیے۔ یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے، لیکن وہ اِسلامی آئین کا اصل الاصول ہے۔ اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر ان کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا، لیکن ان کے دل کا یہ اِحساس کسی طرح نہ مٹ سکا کہ حضرت زید ایک آزاد کردہ غلام اور ان کے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود ایک کم تر درجے کے آدمی کے ساتھ بیاہی گئی ہیں۔ اسی احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں، یہاں تک کہ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

ایک بار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اِزدواجی اُلجھنوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طلاق دینے کا اِرادہ ظاہر کیا، تو حضور نے انھیں منع فرمایا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں یہ واقعہ ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ القرآن الکریم، سورت: ۳۳، آیت: ۳۶

Marfat.com

"وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ" ۱

"اے نبی! یاد کیجیے اس موقع کو جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے، جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان فرمایا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ و اور اللہ سے ڈرو!"

لیکن جب تعلقات میں تلخیاں بڑھتی گئیں تو ازدواجی زندگی کی الجھن سے نجات حاصل کرنے کے لیے بالآخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور جب عدت پوری ہوگئی، تو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

"فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِھِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْھُنَّ وَطَرًا ط وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا" ۲

"پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے، جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو نافذ ہوتا ہی ہے۔"

قرآنِ کریم کی یہ آیت واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت زینب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح قطعاً مرضیِ الٰہی کے اہتمام میں ہوا تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ اتنی سختی کے ساتھ ارشاد نہ فرماتے کہ اپنی بیوی کو مت چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔ اور اس نکاح میں مصلحتِ ایزدی یہ تھی کہ عرب معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو بالکل سگے بیٹے کا مقام حاصل ہو گیا تھا۔ وہ

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۳۳، آیت: ۳۷

۲۔ نفس مصدر

Marfat.com

وارث بنتا تھا، محرم کی طرح سے گھر کی عورتوں اور جوان لڑکیوں کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا، نیز اس کی بیوی بالکل حقیقی بہو کی طرح حرام سمجھی جاتی تھی۔

یہ ساری چیزیں قرآن میں بیان کردہ قانونِ وراثت، قانونِ ازدواج اور باہمی معاشرت کے احکام سے متصادم ہونے کے علاوہ بہت سارے اجتماعی مفاسد کا پیش خیمہ بھی تھیں۔ اِس لیے ضرورت کا تقاضا تھا کہ ان غلط رسموں کی حکماً اور عملاً دونوں طرح سے اِصلاح کی جائے۔ حکماً یہ کہ واضح لفظوں میں اعلان کردیا جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی، بہو کی طرح حرام نہیں ہے۔ عدت پوری ہوجانے کے بعد اس کے ساتھ بغیر کسی قباحت کے رشتۂ نکاح قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور عملاً یہ کہ عرب کی اس غلط رسم کو توڑنے کے لیے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرکے نبی ﷺ خود اپنے عمل سے اس کے جواز کا ایک نمونہ قائم کردیں۔ چناں چہ جیسے ہی حضرت زینب کے ساتھ نکاح کی خبر دشمنوں تک پہنچی، حضور ﷺ کے خلاف طرح طرح کی افواہوں کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ مشرکین، منافقین اور یہود کو بدر سے لے کر غزوۂ احزاب تک جن پیہم شکستوں اور ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، وہ ہر وقت جذبۂ انتقام میں پیچ وتاب کھاتے رہتے تھے۔ اب اس واقعہ سے انھیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ ہر طرف انھوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ محمد (ﷺ) نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا ہے۔ ان کے اعتراض کا منشا یہ تھا کہ ایک عام آدمی کی غیرت برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرے، چہ جائے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر کہتا ہے، وہ ایسا کام کرے جو اخلاقی اعتبار سے بھی نہایت بے غیرتی کی بات ہے۔

اُن کے اِس ناپاک اِلزام کا جواب دینے کے لیے قرآنِ کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

"مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ

Marfat.com

فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا۟ۙ
الَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخۡشَوۡنَہٗ وَ لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا
اللّٰہَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا۝ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ
رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ
شَیۡءٍ عَلِیۡمًا۝" ۔ ۱

"نبی کے لیے اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو اللہ نے ان کے حوالے سے طے کر دیا ہے، اللہ کا یہی دستور پچھلے انبیا کے لیے بھی رہا ہے اور اللہ کا حکم طے شدہ ہوا کرتا ہے۔ یہ ایسے تھے جو پیغامِ الٰہی کی تشہیر میں لگے رہتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے تھے، یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی حساب و کتاب لینے کے لیے کافی ہے۔ محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بل کہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔"

(فیضان القرآن)

ان آیات پر گہرائی میں اتر کر غور کریں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس پر الزام کا افسانہ تراشا گیا تھا، وہ محمد ﷺ کسی مرد کے باپ ہی نہیں ہیں تو کسی کی بیوی ان کی بہو کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اس لیے یہ الزام بالکل صریح بہتان ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ اور یہ دعویٰ کہ وہ کسی مرد کے

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۳۳، آیت: ۳۸، ۳۹، ۴۰

مخطوطہ میں یہ آیات مذکور نہیں ہیں، تاہم "یہ آیات نازل ہوئیں" کے جملے سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے بعد میں انھیں لکھ لینے کا ارادہ فرمایا ہو۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ انھوں نے آگے جو گفت گو کی ہے، اس کی بنیاد بھی انھی آیات کے مندرجات پر ہے، لہٰذا میں نے انھیں ترجمہ کے ساتھ لکھ دیا ہے، تاکہ قاری کسی اُلجھن کا شکار نہ ہو۔

Marfat.com

باپ نہیں ہیں، عقلی بھی نہیں ہے کہ دلیل کی ضرورت پیش آئے، بل کہ اس کا تعلق مشاہدہ سے ہے کہ رشتوں کی تفصیلات سے کم وبیش معاشرہ کا ہر فرد باخبر رہتا ہے۔ اس کے بعد قرآن کا یہ کہنا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اس نکتے کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی منصبی ذمہ داری تھی کہ وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط رسموں کی اِصلاح کریں اور اِصلاح کا بہترین نمونہ یہ ہے کہ آدمی جو کہے اسے پہلے خود کرکے دکھادے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے معاند ذہن کے لیے یہ سوچنے کا دروازہ بند کردیا ہے کہ اگر غلط رسم کی اِصلاح ہی ضروری تھی تو کیا ضرور تھا کہ محمد ﷺ ہی اِصلاح کا یہ کام کریں، یہ فرض کوئی اور بھی انجام دے سکتا تھا؟ قرآن کہتا ہے کہ محمد ﷺ صرف رسول ہی نہیں ہیں، بل کہ خاتم النبیین بھی ہیں، یعنی وہ آخری نبی ہیں، ان پر سلسلۂ نبوت ختم کردیا گیا ہے۔ جب ان کے بعد اور کوئی نبی آئے گا ہی نہیں، تو لازماً اِصلاح کا کوئی فریضہ وہ دوسرے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے، جو کچھ کرنا ہے، انھی کو کرنا ہے۔

دوسرا مقام

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضور اکرم ﷺ کی چار صاحب زادیاں اور دو صاحب زادے ہوئے۔ بچ پن ہی میں صاحب زادے اِنتقال فرماگئے۔ آخری صاحب زادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا تو مشہور اعدائے اِسلام ابولہب، ابوجہل اور عاص بن وائل کو بہت خوشی ہوئی۔ عاص ابن وائل ہر طرف لوگوں سے کہتا پھرتا تھا:

"ان محمدا ابتر، لا ابن له يقوم مقامه بعده، فاذا مات انقطع ذكره و استرحتم منه" ۱

"محمد ابتر ہوگئے، یعنی ان کی نسل ختم ہوگئی۔ اب ان کا کوئی بیٹا نہیں رہا، جو

۱- تفسیر رازی، ج:۳۲، ص:۳۳۲

Marfat.com

ان کی وفات کے بعد ان کا جانشیں ہو۔ جب وہ انتقال کر جائیں گے تو ان کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس دن تمھیں چین کا سانس لینا نصیب ہوگا۔"

لختِ جگر کی وفات کا صدمہ ہی کیا کم تھا کہ دشمنوں کے اس طعنہ سے اور بھی غم کی چوٹ اُبھر آئی۔ قلبِ نازک کو غیر معمولی اذیت پہنچی اور آپ اُداس اور ملول رہنے لگے۔ چند لمحے کا اِضطراب بھی دریائے رحمت کے لیے تلاطم سے کم نہیں تھا۔ خدائے کردگار نے اپنے محبوب کی تسکین و تشفی کے لیے فوراً سورت نازل فرمائی: ۱

"اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○" ۲

"بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔" ۳

غور فرمایئے! دُنیا میں کسے اپنی اولاد کی جدائی کا صدمہ نہیں اُٹھانا پڑتا....... دشمن کے طنز سے کس کا سینہ گھائل نہیں ہوتا...... لیکن کیا دُنیا میں اس کی بھی مثال موجود ہے کہ دُشمن کے طنز کا جواب دینے کے لیے خدائے کائنات نے خود کسی کی وکالت فرمائی ہو اور بھیگی پلکوں کے آنسو خشک کرنے کے لیے حضرت روح الامیں قرآن لے کر اُترے ہوں؟

مشیت اِلٰہی کا یہ منفرد اور نرالا انداز واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ

۱- سورۂ کوثر کے حوالے سے اِس پیراگراف سے لے کر اخیر تک ساری گفت گو والدِ گرامی کے ایک مطبوعہ مضمون "اہل سنت"، نومبر ۲۰۰۱ء سے ماخوذ ہے۔ موقع کی مناسبت سے شامل کر دیا گیا ہے۔

۲- قرآن کریم، سورت: ۱۰۸، آیات: ۱، ۲، ۳

۳- مخطوطہ میں یہ عبارت یوں ہے: "تو آپ اپنے رب کی نماز پڑھیے!" اسے مروّجہ تراجم کے پیش تبدیل کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے، وہ خود بھی اپنی شان میں نرالا اور منفرد ہے۔

اس سورت پاک میں ''کوثر'' کے لفظ سے دو معنی مراد لیے گئے ہیں:

پہلا معنی: ''حوضِ کوثر'' جو جنت میں سرد و شیریں اور شفاف نہر ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ نہر جنت کے تمام قصور و محلات سے گزرتی ہوئی لامحدود وسعتوں میں پھیل جاتی ہے۔

اس تفسیر پر آیت کا مفاد ہوگا کہ اے محبوب! آپ اپنے فرزند کی وفات پر کیوں اُداس و غم زدہ ہیں؟ ہم نے تو آپ کو وہ گھر بھی عطا فرما دیا ہے، جہاں اب ان کا ٹھکانہ ہے، وہ بھی آپ ہی ملکیت ہے۔ جب دونوں گھر آپ ہی کے ہیں تو صرف گھر کی تبدیلی پر صدمہ کیسا؟ کل تک وہ اِس گھر میں تھے، آج اُس گھر میں ہیں۔ وہ آپ کے گھر سے جدا ہی کہاں ہوئے کہ فراق کا صدمہ اُٹھایئے۔

دوسرا معنی: اور کوثر کے دوسرے معنی ہیں ''خیر کثیر''، یعنی ہم نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

''خیر کثیر'' کے وسیع مفہوم میں قیامت تک پیدا ہونے والے اُمت محمدی کے وہ تمام افراد داخل ہیں، جو حضور انور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر کاربند رہ کر خیر و حسنات کا ذخیرہ جمع کریں گے۔ [1]

''تفسیر لباب التاویل فی معالم التنزیل'' میں اس سے ملتا جلتا واقعہ بھی مروی ہے کہ حضرت سدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میرے سامنے پیش کی گئی، اس صورت میں جو مٹی سے پیدا ہونا تھی، جیسا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی تھی، پھر مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرے ساتھ کفر کرے گا۔ جب منافقوں کو آپ کا یہ ارشاد پہنچا تو وہ از راہِ اِستہزا کہنے لگے کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ مَیں اسے جانتا ہوں، جو مجھ پر ایمان لائے گا اور اسے بھی جو میرے ساتھ کفر کرے گا، ان لوگوں میں سے بھی جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، حالاں

۱- دیکھیے، روح المعانی، ج:۹، ص:۳۶۲

Marfat.com

کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہمارا انھیں علم ہی نہیں۔ ۱

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک جب منافقوں کی یہ بات پہنچی، تو آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور حمدِ الٰہی بجالائے، پھر فرمایا:

"ما بال اقوام طعنوا فی علمی، لا تسألونی عن شیء فیما بینکم و بین الساعة الا انبأتکم به" ۲

یعنی ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ تم لوگ اب سے قیامت تک ہونے والی جس چیز کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھو گے، مَیں بتا کر ہی رہوں گا۔

پس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! بتایئے میرا باپ کون ہے؟ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حذافہ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم خدا کے پروردگار، اسلام کے دین، قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ ہم سے درگزر فرمائیں اور اللہ آپ سے درگزر فرمائے۔ تب آپ نے فرمایا کہ "فھل انتم منتھون" یعنی لوگو! کیا تم اب باز آئے، اور منبر سے اتر گئے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر طعن اور اِنکار کرنا منافقوں کا کام ہے اور اسے تسلیم کرنا مومنوں کا۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر تسلیم و رضا کا اِظہار کیا، یہی مومن کی شان ہے اور اِعتراض کرنا منافق کی پہچان ہے۔

تو دانائے ما کان و ما یکون ہے مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

۱- دیکھیے، لباب التاویل فی معالم التنزیل، سورت: آل عمران، آیت: ۱۷۹

۲- اس مفہوم سے ملتی جلتی کئی روایات ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے:
مسند احمد، ج:۳، ص:۵۴۵- مسلم، ج:۱۵، ص:۹۷- صحیح ابن حبان، ج:۶، ص:۳۸- مصنف ابن شیبہ، ج:۷، ص:۴۳۸

Marfat.com

اِس تفسیر پر آیت کا مفاد یہ ہے کہ دشمنوں کے طنز کا ہر گز آپ ﷺ کوئی اثر نہ لیں۔ جب تک گردشِ لیل ونہار کا یہ سلسلہ باقی ہے، روے زمین آپ کی روحانی اولاد سے ہمیشہ معمور رہے گی۔ شش جہات میں آپ ہی کے نام کا ڈنکا بجے گا۔ نسبی اولاد اگر اپنے آباء واجداد کی تعریف کرے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ خون کا اثر ہے، لیکن ایسے کروڑوں افراد کی ثنا خوانی جن سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، ان کے اِعترافِ کمال کو حقیقت ہی پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ راہ چلتا ہوا کوئی اجنبی بلا وجہ کسی کا کلمہ نہیں پڑھ سکتا، جب تک کہ حقیقی عظمتوں کا ماتھے کی آنکھ سے نظارہ نہ کرے۔ آپ کی جلالتِ شان کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ کی معنوی اولاد کیا کم ہے کہ نسبی اولاد کی فرقت کا صدمہ اُٹھایئے۔

غور فرمایئے! ایک ہی آیت میں دونوں طرح کے غموں کا مداوا کر دیا گیا ہے۔ فرزندِ ارجمند کی جدائی بھی اب جدائی نہیں رہی اور اس صدمہ کا اِزالہ بھی ہو گیا کہ بیٹے کی وفات کے بعد بھی چراغ جلتا رہے گا اور نام کو زندہ رکھنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

غور کیجیے! محبوب کے خاطر نازک کی تشفی کے لیے اتنا ہی بہت کافی تھا، لیکن محبت کا تقاضا اتنے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا، ابھی گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانا باقی ہے۔ چناں چہ فرمایا جاتا ہے کہ جس گستاخ نے آپ کو بے نام ونشان ہو جانے کا طعنہ دیا ہے، سن لیجیے کہ اسی کا نام ونشان مٹ جائے گا، اسی کی نسل منقطع ہو جائے گی۔

یہیں سے محبت کا دستور سمجھ میں آگیا کہ محبوب کی عظمتِ شان کا اِعتراف اور ہزار اداؤں کے ساتھ اس کے جلووں کی مدح سرائی، جہاں ایک شیوہ محبت ہے، وہاں دشمن کی کھلی ہوئی مذمت اور واضح طور پر اس کی بدگوئی کی تردید بھی محبت ہی کا تقاضا ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کی دل کی چوری پوری طرح بے نقاب ہو جاتی ہے، جو ایک طرف تو محبتِ رسول کے مدعی ہیں اور دوسری طرف رسولِ پاک ﷺ کے گستاخوں کی مذمت کا کوئی سوال اُٹھتا ہے، تو ذاتی مفاد کی مصلحت فریضۂ محبت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ یہ فطری امر ہے کہ جب کسی کی محبت کسی کے دل میں خوب

Marfat.com

راسخ ہو جاتی ہے، تو محبوب کی خوشنودی کا حصول اس کی روح کا مزاج بن جاتا ہے اور محبت ہی کا تقاضا ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس کا محبوب کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور ہر چیز سے نفرت کی جائے جو محبوب کو ناگوار خاطر ہو۔ خلاصہ یہ کہ محبوب کے دوستوں سے دوستی کی جائے اور محبوب کے دشمنوں سے نفرت۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے۔ ۱

تیسرا مقام ۲

آغازِ اسلام میں جب کہ قدم قدم پر دشمنوں کی یلغار سے زندگی گھائل ہو رہی تھی کہ توحید الٰہی کا اِقرار قیامت کو بلا لانے کے مترادف تھا۔ قبائل کفر کے سارے فرماں رواؤں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کی سماعت سے دنیا کو روک دیا تھا۔ انھی ایام میں ایک دن سرکار دو عالم ﷺ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور انھیں اچانک ٹوٹ پڑنے والے خطرہ سے خبردار کرنے والی زبان میں آواز دی۔ اس آواز پر سارے اہل مکہ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ آپ کے گرد جمع ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضور نے مجمع سے سوال کیا:

اگر مَیں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی گھاٹی میں دشمن کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس خبر پر یقین کرو گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا: کیوں نہیں، اس زبان پر ہم کیوں نہ اِعتماد کریں گے، جو کبھی جھوٹ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ جس کی طہارت پر یقین کرنے کے لیے اتنا

۱۔ مجلہ ''اہل سنت'' سے ماخوذ عبارت یہاں تمام ہو جاتی ہے۔

۲۔ والد گرامی علیہ الرحمۃ نے ''تیسرا مقام'' کے تحت ''سورۂ لہب'' لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ آپ زیر بحث موضوع کو مزید مستحکم بنانے کے لیے ''سورۂ لہب'' کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے تھے، لیکن موقع نہ مل سکا۔ ان کی روحانی خواہش کی تکمیل کے لیے اس حوالے سے انھی کے قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون کا اِقتباس شامل کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

کافی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان ہے۔

سلسلۂ گفت گو دراز کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

مَیں تمھیں اس سے بھی زیادہ سنگین اور تباہ کن عذاب کی خبر دے رہا ہوں، جو تمھارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر پرچم اِسلام کے دارُالامان میں آجاؤ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سن کر ابولہب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آنکھوں سے چنگاری اڑنے لگی۔ غصے سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ فرطِ غیظ میں جلتے ہوئے چیخ پڑا:

"تبا لك سائر اليوم، الهذا جمعتنا" [۱]

"تمھارا ناس لگ جائے، تم نے یہی سنانے کے لیے ہمیں جمع کیا تھا"

ابولہب کی بات ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ قہرِ الٰہی کی ایک بجلی چمکی..... قہرِ خداوندی کی دھمک سے پہاڑ کا کلیجہ دہل گیا..... فرطِ ہیبت سے حرم کی سرزمین کانپ اُٹھی.... اتنے میں حضرت روح الامین کے پروں کی آواز کان میں آئی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ پر سمیٹے قہر و جلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں پڑھ رہے تھے:

"تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ○مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ○وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ○فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ○" [۲]

"ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور اس کا ناس لگ جائے، (عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے) نہ اس کا مال کام آئے گا اور نہ ہی اس کی کمائی ہوئی دولت، وہ اور اس کی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے پھرتی

۱۔ بخاری، ج:۴، ص:۱۷۸۷

۲۔ قرآن کریم، سورت:۱۱۱، آیات:۱۔۵

Marfat.com

ہے، دونوں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔''

محبوب کو اذیت پہنچانے والے ایک فقرہ پر ذرا قہرِ الٰہی کے چڑھتے ہوئے دریا کا تلاطم تو دیکھیے! ایک لمحہ میں ابولہب کی دُنیا اور آخرت کا فیصلہ سنا دیا گیا۔

ابولہب اپنے وقت کا نیا مجرم نہیں ہے۔ غضب ناک تیور میں ڈوبی ہوئی آیات کل تک کیوں نہیں اُتاری گئیں تھیں؟ کل بھی تو غیرتِ اِلٰہی کو حرکت میں لانے والے اسباب اس کے ذریعہ صادر ہوئے تھے: خدائے واحد کی پرستش سے بغاوت کر کے ہاتھ سے تراشے ہوئے اصنام کو خراجِ بندگی کا مستحق قرار دینا کیا یہ کم درجے کا جرم تھا؟ لیکن قربان جایئے اس ادائے محبت کے، کہ اپنے مجرم کا سوال آیا تو مہلت دے دی، لیکن محبوب کے مجرم کی تعزیر کے لیے ایک لمحے کا اِنتظار بھی روا نہیں رکھا گیا۔

پھر کہنے والے نے جو کچھ بھی کہا تھا، اپنے بھتیجے کو کہا تھا، دنیا میں کتنے ہی چچا ہیں جو اس سے بھی زیادہ سخت جملے اپنے بھتیجوں کے حق میں استعمال کیا کرتے ہیں، لیکن بھتیجے کی طرف سے جواب دینے کے لیے کون کھڑا ہوتا ہے؟ سب تو یہی کہہ کر درگزر کرتے ہیں کہ یہ چچا کا حق ہے۔

لیکن یہ حق اپنے محبوب کے بارے میں قرآن ہرگز تسلیم نہیں کرتا، بل کہ وہ نہایت ہی سختی کے ساتھ تنبیہ کرتا ہے کہ منصبِ رسالت کا اِحترام خون کے رشتوں کے اِحترام سے کہیں بالا تر ہے...... اس لیے کسی کو بھی اِجازت نہیں ہے کہ رشتوں کی زبان میں کوئی میرے محبوب سے گفت گو کرے...... وہ پہلے میرا محبوب ہے.... میرا مقتدر پیغمبر ہے.... کائنات میں میرا نائب السلطنت ہے...... میرے جلال و جمال کا آئینہ ہے.... میرے ہی فضل وکرم سے وہ میری قدرت وعظمت کا ایک بااِختیار نمائندہ ہے...... اس کے بعد وہ کسی کا باپ ہے...... کسی کا بیٹا ہے...... کسی کا شوہر ہے..... اور کسی کا بھتیجا ہے۔

Marfat.com

دیکھ رہے ہیں آپ! خدائے بزرگ وار کا اپنے محبوبِ کریم کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق ہے...... طعنہ دینے والے رسول کو طعنہ دے رہے ہیں، لیکن اس کے جواب میں وہ آسمان سے آیاتِ قرآنیہ نازل فرما رہا ہے۔

چوتھا مقام ۱

کہتے ہیں کہ دنیائے کفر کے مشہور گستاخ ولید ابن مغیرہ نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''وَ قَالُوْا یٰاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ'' ۲

''اور بولے: اے وہ شخص کہ جس پر قرآن اُتارا گیا ہے، تو مجنون و دیوانہ ہے۔''

بس اتنا کہنا تھا کہ قہرِ الٰہی کا بادل کڑکا، بجلی چمکی اور غیظ و جلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں ولید ابن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئیں: ۳

''نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ○مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ○وَ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ○ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ○ فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ○بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ○'' ۴

''قسم ہے قلم کی اور اس کے نوشتوں کی، کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور یقیناً آپ کے لیے بے پایاں اجر و ثواب ہے، اور بلاشبہ آپ کی خو بڑی شان کی ہے، پس عن قریب آپ بھی ملاحظہ

۱- یہاں بھی والد گرامی علیہ الرحمہ ''چوتھے مقام'' کے لیے ''سورہ ن'' کو عنوان بنا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے انھی کے قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون کا اقتباس حاضر خدمت ہے۔

۲- قرآن کریم، سورت: ۱۵، آیت: ٦

۳- تفسیر قرطبی، ج: ۱۸، ص: ۲۲۹

۴- قرآن کریم، سورت: ٦٨، آیات: ۱-٦

Marfat.com

فرمائیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے۔"

اب گستاخ کی مذمت میں ذرا قرآن کے یہ الفاظ گنیے اور اندازہ لگائیے کہ محبوب کے دشمن کے ساتھ قرآن کی گفتار کا تیور کتنا غضب ناک ہو گیا ہے۔

"وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ م بِنَمِيْمٍ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۝ عُتُلٍّ م بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ۝" ۱

"اے محبوب! آپ کسی بھی ایسے شخص کی بات مت سنیے جو قسمیں کھانے والا، ذلیل، بہت بڑا طعنہ باز، بہت بڑا منتفی، بھلائی سے بہت زیادہ روکنے والا، حد سے گزرا ہوا، گنہ گار، درشت خو، اور سب پر طرہ یہ کہ ولد الحرام ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ مال و اولاد والا ہے، جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، تو کہتا ہے کہ یہ اگلوں کے قصے ہیں، عن قریب ہم اس کی سور جیسی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔"

منقول ہے کہ ولید ابن مغیرہ کے حق میں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں، تو عالم غیظ میں وہ تلملا اُٹھا اور اپنی ماں سے جا کر دریافت کیا:

ابھی ابھی محمد (ﷺ) نے میرے متعلق دس باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اپنی نو برائیوں کے بارے میں تو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرے اندر موجود ہیں، لیکن دسویں بات کہ میری اصل میں بھی فرق ہے، اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے ہزار دشمنی کے باوجود مجھے اس کا یقین و اعتراف ہے کہ ان کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اب سچ سچ بتا دے کہ حقیقت حال کیا ہے؟ ورنہ میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۶۸، آیات: ۱۰۔۱۶

Marfat.com

تیور دیکھ کر اس کی ماں نے صاف صاف بتا دیا کہ تیرا باپ نامرد تھا، اس لیے ایک چرواہے کے ساتھ میرا ناجائز تعلق ہوگیا اور اسی کے نتیجے میں تیری پیدائش عمل میں آئی۔ ا

حالتِ غیظ میں جب انسان اپنے کسی دشمن کے عیوب کا پردہ چاک کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ نفسیاتی ہیجان کا ردِعمل ہے۔ لیکن یہاں کیا کہیے گا کہ یہ کلام تو اس پاک و مقدس خداوند کا ہے، جس کی ذات شوائب نفسانی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ستار العیوب جو اپنے بڑے سے بڑے سیہ کار بندے کی پردہ پوشی فرماتا ہے، اس نے اپنے پیغمبر کے ایک گستاخ کو سارے جہاں میں رسوا کر کے یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ جس معصوم و محترم نبی کے گستاخ کے لیے اس کے یہاں کسی عفو و درگزر کی گنجائش نہیں ہے، اس کی حیثیت نامہ بر کی نہیں ہے، محبوبِ ذی وقار کی ہے۔ یہاں بھی وہی ادائے رحمت جلوہ گر ہے کہ گستاخ نے نشانہ بنایا ہے، ذاتِ رسول کو جواب دے رہا ہے ان کا ربِّ کریم۔ محبوب خاموش ہے، قرآن اس کی وکالت فرما رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی بدنصیب کہہ سکتا ہے کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک خبر رساں کی ہے؟ بل کہ سچی بات یہ ہے کہ ایک ایسے محبوب کی ہے، جو خدا کی محبت کے گہوارے میں پلا، اسی کی رحمتوں نے اسے ساری کائنات کی افسری بخشی اور اسے خالق و مخلوق، عابد و معبود کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس لیے اس کی حیثیت صرف ایک نامہ بر کی نہیں ہے، بل کہ نامہ کے اسرار و رموز سے باخبر کرنے والے کی ہے۔

ا۔ دیکھیے، روح البیان، ج:۱۰، ص:۱۰۰

Marfat.com

پانچ واں مقام [1]

بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ جب مجمع عام میں تقریر فرماتے تھے تو کچھ ایسے مواقع بھی پیش آجاتے تھے کہ صحابہ کرام کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس مدعا کے لیے وہ ''راعنا'' کا لفظ اِستعمال کرتے تھے، جس کے معنی ہیں کہ حضور ہماری رعایت فرمایئے! یعنی ہمیں وضاحت کے ساتھ اچھی طرح سمجھا دیجیے۔ لیکن یہودیوں کی زبان میں اس لفظ کے معنی نہایت توہین آمیز تھے۔ انھوں نے بھی مجمع عام میں اِس لفظ کا اِستعمال شروع کردیا۔ فرق یہ تھا کہ مسلمان اس لفظ کو بہتر معنی میں اِستعمال کرتے تھے اور یہودی مذہب کے ماننے والے اس لفظ سے گستاخانہ معنی مراد لیتے تھے۔ یہودیوں کو حضور پاک ﷺ کے ساتھ جو دشمنی تھی اور جس طرح وہ ہمیشہ درپئے آزار رہا کرتے تھے، اس لفظ کے ذریعے انھیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ یہی لفظ مسلمان بھی استعمال کرتے تھے، فرق جو تھا وہ دل کی نیتوں کا تھا اور ظاہر ہے کہ دل کی نیتوں پر کوئی قدغن نہیں لگایا جاسکتا۔

لیکن قربان جایئے اس ادائے رحمت کے، جو قدم قدم پر اپنے محبوب کی عزت کی محافظ تھی۔ گستاخ دلوں کے لیے اتنی گنجائش بھی وہ گوارہ نہ کرسکی، فوراً ہی آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'' [2]

''اے ایمان والو! اب 'راعنا' کہنا چھوڑ دو اور اس کی جگہ 'انظرنا'

۱- یہاں بھی والدگرامی علیہ الرحمۃ ''پانچ ویں مقام'' کے لیے ''آیت راعنا'' کو عنوان بنا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے انھی کے قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون کا اِقتباس حاضر خدمت ہے۔

۲ قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۰۴

Marfat.com

(ہماری طرف نگاہِ کرم مبذول کیجیے) کہا کرو اور رسول کی باتیں غور سے سنو اور (ان کافروں کے لیے جو دل میں اہانتِ رسول کا جذبہ چھپائے رہتے ہیں)، نہایت دردناک عذاب ہے۔"

وہ شاخ ہی نہ رہے جس پر آشیانہ ہو...... اہل ایمان اس لفظ کا استعمال ہی چھوڑ دیں، جس میں توہین کے معنی پیدا کرنے کے لیے کسی طرح کی بھی بعید از بعید گنجائش نکلتی ہو۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ لفظ اپنے مدلول میں اس معنی کا متحمل ہے کہ نہیں، توہین کے پہلو کا اتنا احتمال بھی اس لفظ پر پابندی عائد کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

محبوب کی شان میں توہین آمیز الفاظ کا اِستعمال تو بڑی بات ہے، یہاں تو دل کا توہین آمیز اِرادہ بھی ایک لمحے کے لیے گوارا نہیں ہے۔ اگرچہ "راعنا" کا لفظ اپنے لغوی معنی کے اِعتبار سے عربی زبان کا ایک نہایت ہی شائستہ لفظ ہے، لیکن چوں کہ دشمن اس لفظ کو اپنی شقاوتِ قلبی کی تسکین کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، اس لیے لفظ کا استعمال ہی ترک کر دیا جائے تا کہ دشمن کو لفظ میں معنوی تصرف کا بھی آئندہ موقع نہ مل سکے۔

اب رہ گیا سوال گستاخوں کی سزا کا، تو سن لیں کہ آخرت میں دردناک عذاب ان کا مقدر ہو چکا ہے۔ چوں کہ یہ دُنیا دارُ الجزا نہیں ہے، اس لیے یہاں نہ کسی گستاخ کی زبان پکڑی جا سکتی ہے، نہ اس کا قلم تھاما جا سکتا ہے۔ یہاں خیر و شر کی دونوں راہیں کھلی ہیں۔ ان پر وہ جتنی دور تک جانا چاہے، جا سکتا ہے۔ اِنعام و سزا کا مرحلہ تو آنے والی زندگی میں پیش آئے گا، لیکن دنیا میں ان لوگوں کا عبرت ناک انجام ہی پیچھے پلٹ کر یہ لوگ دیکھ لیتے، جنھوں نے محبوبانِ حق کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا، تو کم از کم یہ سمجھ میں آ جاتا کہ انبیاے کرام کے گستاخوں پر خدا کی رحمت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔

ان سارے مقامات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مشیت اِلٰہی کو بالکل یہ گوارا نہیں ہے کہ جس ہستی کو اس نے اپنے کارخانۂ قدرت کا شاہ کار بنایا ہے،

Marfat.com

اس میں کسی طرح کا نقص تلاش کیا جائے۔ جو ایسا کرتا ہے وہ دراصل مصنوع پر نہیں بل کہ صانع پر اُنگلی اُٹھا رہا ہے۔ اور اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ صانع خود اس کی طرف سے مدافعت فرما رہا ہے۔

ایک طرح صانع کریم کا اپنے مصنوع کے ساتھ مودّت و قربت کا یہ تعلق دیکھیے اور دوسری طرف مظہریت شان ملاحظہ فرمائیے، کہ صانع حکیم ارشاد فرما رہا ہے کہ

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' ۱

''جس نے رسول کی اطاعت کی، بلاشبہہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور خود نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''من رآنی فقد رای الحق'' ۲

''جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا''

۱- قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۸۰

۲- کنزالعمال، ج:۱، ص:۳۱۱۹

یہ حدیث یہاں جس مفہوم کی ادائیگی کے لیے مذکور ہے، وہ مناسب نہیں۔ غالبًا مصنف نے صاحبِ روح البیان (ج:۹، ص:۲) کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے، اس لیے کہ انھوں نے ''حق'' کے لفظ سے ''باری تعالیٰ'' مراد لیا ہے، جو کہ اسی حدیث کے آخری حصہ سے متصادم ہے۔ حدیث کے اخیر میں ہے کہ ''فان الشیطان لا یترائی بی'' یہ جملہ بتا رہا ہے کہ حدیث مذکور خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کے دیکھنے کے حوالے سے ہے۔ یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے بلاشبہہ مجھے ہی دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری شبیہ اختیار نہیں کر سکتا۔

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے؛ شرح مسلم للنووی، ج:۱۵، ص:۲۱- عمدۃ القاری، ج:۲، ص:۱۴۶

Marfat.com

کائناتِ ہستی کا مطالعہ اور قرآن کی عقدہ کشائی

انسان کی ایک سرشت جو سارے انسانوں کے درمیان مشترک ہے، یہ ہے کہ جب بھی کوئی نئی اور حیرت انگیز چیز سامنے آتی ہے، تو بے ساختہ ذہن کی سطح پر یہ سوال اُبھرتا ہے کہ یہ کیا ہے اور اس کا بنانے والا کون ہے؟ کسی انتہائی خوب صورت بچے کو دیکھنے کے بعد اس سوال کی زد سے کوئی بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا کہ یہ کس کا بچہ ہے؟

غالباً اسی سرشت کا تقاضا تھا جب کہ پہلی بار برصغیر ہند میں سائیکل کی سواری آئی تو اسے دیکھنے کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ لوگ حیرت کرتے کہ صرف ایک پہیہ کی سواری پر آدمی کیوں کر ٹکا رہتا ہے۔

اور اسی سرشت کا مظاہرہ تھا جب پہلی مرتبہ لوگوں نے ہوائی جہاز کو اڑتے ہوئے دیکھا، تو حیرت سے دیکھتے رہ گئے اور جب پہلی بار اس خطے میں ریل گاڑی آئی، تو دور دور سے لوگ صرف اسے دیکھنے کے لیے سفر کرتے۔

کسی حیرت انگیز چیز کو دیکھنے کے بعد تجسس کی جو کیفیت ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے، اگر وہ ہماری فطرت ہی کا تقاضا ہے، تو انسان کی فطرت ان حقائق سے کیوں کر اپنی آنکھیں بند کر سکتی ہے، جو اس کائناتِ ہستی کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ زبانِ حال سے ہر لمحہ ہم سے مخاطب ہیں۔

اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ اس کائنات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

Marfat.com

ایک زمین اور دوسرا آسمان، پھر زمین بھی دو حصوں میں منقسم ہے؛ خشکی اور پانی۔ پھر خشکی کا حصہ بھی چند قطعات پر مشتمل ہے؛ پہاڑ، جنگل، ریگستان، دریا اور نہریں۔

زمین کی یہ قدرتی تقسیم ہے، جس میں جدید و قدیم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اب آیئے ذرا کائنات کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی طرح طرح کی مخلوقات پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور انسانی فطرت کے تقاضے پر اٹھنے والے سوالات کا جائزہ لے کر جوابات سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہاڑوں کا مطالعہ:

یہ دیکھیے، زمین کے سینے پر جگہ جگہ بلند و بالا پہاڑوں کے یہ لنگر...... یہ آسمانوں کو چھوتی ہوئی برف پوش چوٹیاں...... یہ ہزاروں میل میں پھیلے ہوئے کہسار کی اونچی اونچی فصیلیں...... یہ سرمئی بادلوں کی طرح سیاہ پتھروں کے چھوٹے بڑے ٹیلے۔

عقل دریافت کرتی ہے کہ یہ کس طرح وجود میں آئے...... کروڑہا کروڑ ٹن کے ان پتھروں کو جگہ جگہ کس نے نصب کیا...... یہ کہاں سے لائے گئے...... کس مشین کے ذریعہ انھیں اُٹھایا گیا......اور یہ سارا منصوبہ کس نے تیار کیا؟

مطالعۂ بادوباراں:

یہ فضاؤں میں تیرتے ہوئے سیاہ و سفید بادلوں کے قافلے...... یہ ننھی ننھی بوندوں کی شکل میں آسمانوں سے برستا ہوا پانی...... یہ بجلی کی کڑک...... یہ بادل کی گرج...... یہ کالی گھٹاؤں میں چمکنے والی تجلی...... یہ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہواؤں کی نوید...... چند لمحوں میں فضا کا نقشہ بدل دینے والی آندھیوں کا یہ طوفان۔

ان ساری چیزوں کے بارے میں فطرت انسانی بار بار سوال کرتی ہے کہ یہ کس کی تخلیق کا نتیجہ ہے...... یہ کیوں کر وجود میں آئے ہیں......اور ایک لگے بندھے ضابطے کے ساتھ یہ سارا نظام کون چلا رہا ہے؟

Marfat.com

مطالعۂ بحار:

ناپیدا کنار وسعتوں میں پھیلا ہوا یہ ہیبت ناک سمندر........ پہاڑوں کی طرح اُٹھنے والی یہ تلاطم خیز موجیں........ مختلف رنگ کے پانیوں کے درمیان فصل قائم کرنے والی برزخ کی یہ دیواریں........ ہزاروں میل سے بھی زیادہ فاصلوں سے چل کر ساحل سے ٹکراتی ہوئی یہ لہریں...... پاتال میں گم ہو جانے والی یہ ناقابل تسخیر گہرائی۔

عقل اِنسانی سوال کرتی ہے کہ کرۂ ارض کے تین حصوں میں پھیلا ہوا پانی کا یہ بے حد وحساب ذخیرہ کہاں سے آیا...... صبح وشام جوار بھاٹا کا یہ اُتار چڑھاؤ کس کا مقرر کردہ ضابطہ ہے......اور چاندنی راتوں میں طوفان کا تلاطم کس کا بنایا ہوا قانون ہے؟

نباتات کا مطالعہ:

یہ موٹے موٹے تناور درخت......ایک ہی زمین سے غذا حاصل کرنے والے، لیکن رنگ وذائقہ میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف یہ سرخ وسبز، نیلے پیلے اور سیاہ و سفید پھل......ٹہنیوں میں لٹکے ہوئے رنگ برنگے خوش نما پھول......اور سینکڑوں طرح کی فرحت بخش خوش بو۔

عقل اِنسانی دریافت کرتی ہے کہ درختوں اور پودوں میں یہ طرح طرح کی رنگتیں اور قسم قسم کے ذائقے کون پیدا کرتا ہے......زمین کی تہوں میں خوش بو اور رنگ کا کارخانہ کس کی نگرانی میں شب و روز چل رہا ہے........ پھول کی نازک پنکھڑی پر اتنے حیرت انگیز تناسب کے ساتھ مختلف قسم کا رنگ کون چڑھاتا ہے کہ کہیں بال برابر بھی فرق نہیں پڑتا...... عقل سوال کرتی ہے کہ وہ کارساز ہے، جو دفن ہونے والے ایک بیج کو زمین کا سینہ شق کر کے باہر نکالتا ہے، پھر اسے پودے کی شکل میں پروان چڑھاتا ہے...... پھر اس کی نرم و نازک شاخوں میں پھول کھلاتا ہے........ پھر انھی پھولوں سے قسم قسم کے پھل پیدا کرتا ہے؟

Marfat.com

مطالعۂ نیرِ اعظم:

اب آسمان کے سب سے ہیبت ناک سیارہ سورج کو دیکھیے .... یہ گرم بھی ہے اور روشن بھی..... طلوع و غروب کے وقت انگارے کی طرح سرخ نظر آتا ہے، لیکن جیسے جیسے اوپر اُٹھتا ہے، سیماب کی طرح چمکنے لگتا ہے......... خطِ نصف النہار پر پہنچنے کے بعد روشنی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ نظر ملانا مشکل ہے..... کبھی کبھی سورج میں گہن بھی لگتا ہے، کبھی آدھا اور کبھی پورا..... جب پورا گہن لگتا ہے، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے جلتے ہوئے چراغ کو گل کر دیا ہے۔

عقل اِنسانی سوال کرتی ہے کہ نور کا یہ لہراتا ہوا سمندر کس کی ایجاد ہے........ کس نے دہکتے ہوئے سفید شعلوں کا اتنا وافر ذخیرہ اس میں جمع کر دیا ہے کہ کروڑوں برس سے چنگاریاں جھڑ رہی ہیں، لیکن حرارت ہے کہ کم ہونے کا نام نہیں لیتی........ کون اسے روزانہ مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب میں ڈبو دیتا ہے......... کس کی قدرت سے سورج میں گہن لگتا ہے اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ بے نور ہو جاتا ہے....... کس کے مقرر کیے ہوئے خطوط پر وہ کروڑوں برس سے اتنی پابندی کے ساتھ چل رہا ہے کہ ہم سینکڑوں سال پہلے آنے والے دن کے حوالے سے کہہ سکتے ہیں کہ آج اس کا مستقر کہاں ہے....... اور سورج کی رفتار پر موسم کی تبدیلیوں کا ضابطہ کس نے بنایا ہے کہ کہیں فرق نہیں پڑتا...... وہ کون قدرت و جبروت اور علم و حکمت والی ذات ہے، جو سارے نظامِ شمسی کو حیرت انگیز یکسانیت کے ساتھ چلا رہی ہے؟

مطالعۂ نجوم و ماہ تاب:

اب چاند کو دیکھیے .... یہ آسمان کا سب سے خوب صورت سیارہ ہے....... چاندنی راتوں کو اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روے زمین پر کسی نے چاندی کا ورق بچھا دیا ہو...... چاند نگاہوں کو شبنم کی ٹھنڈک مہیا کرتا ہے اور جگمگاتے ہوئے جگنو کی دمک بھی۔

Marfat.com

عقل اِنسانی سوال کرتی ہے کہ یہ آسمان پر چاند کی سب سے بڑی قندیل کس نے روشن کی ہے اور بے حد و حساب کواکب و نجوم کے چراغ کس نے جلائے ہیں........کس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ چاند کبھی ہلال بنتا ہے اور کبھی بدرِ کامل بن جاتا ہے، اور گھٹنا شروع ہوتا ہے تو ایک دن بساطِ فلک سے بھی غائب ہو جاتا ہے........عقل حیرانی کے عالم میں پوچھتی ہے کہ وہ ہستی کون ہے، جو نظم وضبط کے ساتھ اس سارے نظام کو چلا رہی ہے۔

مطالعۂ جمادات:

اب آیئے جمادات کی طرف چلیں.......یہ رنگ بہ رنگ کے قیمتی پتھر........یہ نیلم و یاقوت.......یہ لعل و زبرجد........یہ پکھراج اور ہیرے.......یہ سرخ و سفید اور پیلی و کالی مٹی........یہ زمین کی تہوں میں سونے، چاندی، لوہا، المونیم، پیتل، تانبے، کوئلے اور گندھک.......یہ پانی اور تیل کے لامحدود ذخیرے۔

عقل دریافت کرتی ہے کہ یہ سارے قیمتی خزانے زمین کے سینے میں کس نے ودیعت فرمائے ہیں.......اور کون اِن خزانوں کی حفاظت کرر ہا ہے.......جواہرات کے بیش قیمت پتھروں میں الگ الگ خواص و تاثیرات کس کی پیدا کردہ ہیں........اور زیرِ زمین یہ سارا کارخانہ نظم وضبط حکمت و دانائی کے ساتھ کون چلا رہا ہے؟

مطالعۂ حیوانات:

اب حیوانات کی دُنیا میں آیئے.......ان میں چونٹی سے لے کر پہاڑوں کی طرح دیو ہیکل جانوروں کا جائزہ لیجیے، تو ایک حکیم و دانا قدرت کی کاری گری دیکھ کر حیران رہ جایئے گا.......ان میں جنگلی درندے بھی ہیں اور آسمانوں میں اُڑنے والے پرندے بھی.....بھٹوں اور بلوں میں رہنے والے حشرات الارض بھی ہیں اور پانی میں زندگی بسر کرنے والی آبی مخلوقات بھی.....کسی کے دو پاؤں ہیں، کسی کے چار پاؤں ہیں اور کسی

Marfat.com

کے بہت سارے پاؤں ہیں.....کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے، کوئی رینگتے ہوئے حرکت کرتا ہے اور کوئی اُچھلتے ہوئے راستہ طے کرتا ہے.......سب کی خوراک الگ، سب کی سرشت الگ، سب کا رہنے سہنے کا انداز الگ......ان میں خوف ناک چہرے بھی ہیں کہ دیکھ لیجیے تو بدن پر رعشہ طاری ہو جائے اور اتنے حسین وخوش نما بھی کہ دیکھیے تو دیکھتے رہ جایئے.....بھانت بھانت کی بولیاں اور قسم قسم کی آوازیں، وحشت ناک بھی اور پرکشش بھی........رنگ بہ رنگ کے بال اور منقش چمڑے کہ جن کے آگے بڑے بڑے نقاشوں اور رنگ ریزوں کا فن بھی شرمندہ ہو جائے۔

عقل دریافت کرتی ہے کہ یہ صنف صنف کے حیوانات اور ان کا یہ سارا نظامِ زندگی کس کی تخلیق کا نتیجہ ہیں.......اور ہر جانور کو اس کے مزاج وسرشت کے مطابق کون غذا مہیا کرتا ہے.......الگ الگ ہر جان دار کی فطرت میں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کا شعور کس کا پیدا کردہ ہے.......زمین کے طول وعرض میں اندر اور باہر ارب ہا ارب جانور جب بیمار پڑتے ہیں تو علاج کون کرتا ہے.......سردی اور بارش میں ہلاک ہونے سے انھیں کون بچاتا ہے.....کس نے انھیں تعلیم دی ہے کہ جنسی اختلاط کا طریقہ کیا ہے اور ولادت کے وقت کس کو کیا کرنا چاہیے.......ہر صنف کا جانور اسی صنف کے ساتھ کیوں رہتا ہے.....صنفی اخوت کی یہ کشش کس کی پیدا کردہ ہے........ پرندوں کو تنکے جمع کر کے حیرت انگیز انجینئرنگ کے ساتھ قسم قسم کے گھونسلے بنانے کی تربیت کس نے دی ہے.....شہد کی مکھیوں کے ذریعہ پھولوں کے کشید کردہ رس میں شیرینی کون گھول دیتا ہے.......اور حشرات الارض کو زمین میں سرنگ کھود کر اپنے لیے گھر بنانے کا فن کس نے سکھایا ہے؟

بنی نوعِ انسان کا مطالعہ:

اب آیئے حضرت اِنسان کا مطالعہ کریں.......جسمانی ساخت اور طاقت کے

Marfat.com

لحاظ سے روے زمین کی سینکڑوں مخلوق سے کم زور، لیکن عقل وذہانت اور فکر وتدبر کی معنوی قوتوں کے ذریعہ ساری مخلوقات کا حاکم وفرماں روا........ جنگل ہو یا سمندر، پہاڑ ہو یا زمین، ہوا ہو یا آگ، جہاں چاہتا ہے، اپنے اِقتدار کا جھنڈا گاڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی مرضی کا غلام بنالیتا ہے...... یہ حضرت اِنسان ہی ہیں، جنھوں نے اپنی عقل وذہانت سے اس ویرانہ ہستی کو اس طرح سجایا ہے کہ جہاں جایئے ایک جہانِ نو کا منظر ہے.....اس ربع مسکوں کو سینکڑوں خطوں میں تقسیم کر کے ہر خطے میں ایک نئی دنیا بسانا حضرت انسان ہی کا کام ہے۔

عقل دریافت کرتی ہے کہ انسان جیسی عجیب وغریب چیز کس کی تخلیق کا نتیجہ ہے......ایک بے جان قطرۂ آب کو رحم مادر میں کون جیتے جاگتے انسان کی شکل میں تبدیل کرتا ہے......انسان کی ہستی میں عقل وذہانت کی یہ حیرت انگیز قوت کس نے ودیعت فرمائی ہے........ اگر یہ ساری کائنات حضرت انسان کے مصرف کے لیے ہے، تو خود حضرت انسان کا اپنا مصرف کیا ہے؟

ایک چیلنج:

اِختصار کے ساتھ اس کائنات اور اس کے مختلف طبقات کے بارے میں عقل انسانی کے اٹھائے ہوئے جو سوالات پچھلے صفحات میں نقل کیے گئے ہیں، وہ فرضی نہیں ہیں، بل کہ انسانی تاریخ کے ہر عہد میں یہ سوالات دماغوں میں گونجتے رہے ہیں، لیکن ان پر انسانوں کی دنیا کل بھی خاموش تھی اور آج بھی خاموش ہے، مزید برآں جو کتابیں اپنے آپ کو آسمانی کہتی ہیں، ان کے پاس بھی ان سوالات کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں ہے۔

فکر کی دنیا میں ایک زلزلہ افگن سوال:

دنیا میں کروروں جھوٹ بولے گئے ہیں اور دن رات بولے جارہے ہیں.....

Marfat.com

اس سے بڑا جھوٹ اور کیا بولا جا سکتا ہے کہ فرعون اور نمرود نے خدائی تک کا دعویٰ کر دیا...... لیکن اتنا آسان جھوٹ آج تک کسی سے کیوں نہ بولا جا سکا کہ زمین و آسمان کا خالق میں ہوں..... سورج، چاند اور ستاروں کو روشن مَیں نے کیا ہے...... ذرہ سے لے کر پہاڑ تک، قطرہ سے لے کر سمندر تک، پودے سے لے کر تناور درخت تک، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، کارخانۂ ہستی کا یہ سارا نظام مَیں ہی چلا رہا ہوں...... ہر انڈے کے اندر پرندہ بنانے والی مشینیں میری ہی بنائی ہوئی ہیں...... ایک بے جان قطرۂ آب کو مختلف مراحل سے مَیں ہی گزارتا ہوں اور نو مہینے کے بعد اسے انسان بنا کر ماؤں کی گود میں ڈال دیتا ہوں..... بلوں سے لے کر بھٹوں تک اور جنگلوں سے لے کر دریاؤں تک ساری جان دار مخلوق کو غذا مَیں ہی پہنچاتا ہوں اور ان کی حفاظت کا سارا اِنتظام مَیں ہی کرتا ہوں...... یہ اور اس طرح کے بے شمار جھوٹ اب تک کیوں نہیں بولے گئے؟...... عہدِ حاضر میں ایک سے ایک نامور جھوٹے پیدا ہوئے اور اتنے بڑے بڑے جھوٹ بولے گئے کہ بولنے والوں نے بھی شرم سے اپنا منہ چھپا لیا، لیکن اس طرح کا جھوٹ اب تک اِس لیے نہیں بولا جا سکا کہ اس کا تعلق ایک محسوس حقیقت اور ایک نظر آنے والے مشاہدہ سے ہے، صرف ذہن و فکر کے اِعتقاد سے نہیں ہے۔

کوئی بھی جھوٹا دعویٰ جب تک صرف کہنے کی حد تک رہتا ہے، اس کی قلعی نہیں کھلتی، لیکن جیسے ہی کرنے کی منزل شروع ہوتی ہے، اس کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ نمرود کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، جب اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مَیں خدا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

"رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ" ۱

"میرا خدا وہ ہے، جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔"

۱۔ قرآن کریم، سورت:۲، آیات:۲۵۸

Marfat.com

نمرود نے جواب دیا:

"اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ" ۱

"مَیں بھی جِلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔"

پھر اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اس نے جیل سے دو قیدیوں کو اپنے سامنے بلوایا۔ ان دونوں میں سے جس قیدی کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی، اسے رہا کر دیا اور جو بے گناہ تھا، اُسے قتل کروا دیا۔ ایسا کر کے وہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ جِلانا اور مارنا میرے اختیار میں بھی ہے۔۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی اس مضحکہ خیز دلیل کو نا قابل اِلتفات سمجھتے ہوئے فوراً بحث کا رُخ حسیات کی طرف موڑ دیا اور ارشاد فرمایا:

"فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" ۲

"میرا پروردگار سورج کو مشرق سے طلوع فرماتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال لا!"

قرآن کہتا ہے کہ

"فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" ۳

"اس حسی دلیل کے آگے کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔"

مبہوت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِماتت و اِحیا یعنی مارنے اور جِلانے کے مفہوم پر گفت گو شروع کرنے کی نئی بحث کا رخ اچانک ایک محسوس حقیقت کی طرف موڑ دیا اور ایک مشاہدہ کے خلاف دوسرا مشاہدہ طلب کر لیا۔ اس دلیل کا تعلق چوں کہ اِدعائے ربوبیت سے نہیں تھا، بل کہ جاری رہنے والے "نظام ربوبیت" کے مقابلے میں ایک "متوازی نظامِ ربوبیت" پیش کرنے سے تھا۔ اس لیے فی الفور جھوٹ کا پردہ فاش ہو گیا اور کافر کی ساری بولتی بند ہو گئی۔ یہیں سے یہ بات

۱-۳ قرآن کریم، سورت:۲، آیات:۲۵۸

Marfat.com

ثابت ہوگئی کہ آدمی کے لیے لفظوں کی حد تک جھوٹ بولنا بہت آسان ہے، لیکن جس جھوٹ کی بنیاد پر کچھ کر دکھانے کا سوال پیدا ہوتا ہے، وہاں ساری بولتی بند ہو جاتی ہے۔

دورِ حاضر میں سائنس نے کافی ترقی کی ہے۔ بہت سے سربستہ حقائق کا اس نے اِنکشاف کیا ہے، لیکن اس کے پاس بھی متذکرہ بالا سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ مَیں بہ جا طور پر اِعتراف کرتا ہوں کہ سائنس کائنات کی ان چھپی ہوئی قوتوں کو دریافت کرنے میں بہت حد تک کام یاب ہوگئی ہے، جو کائنات کے بنانے والے نے اس کے اندر ودیعت فرمائی ہے۔

لیکن صرف اِتنا معلوم کر لینا کہ کس قوت سے کیا کام لیا جا سکتا ہے اور دو قوتوں کو جوڑ دینے کے بعد تیسری قوت کس طرح وجود میں آتی ہے، ان سوالوں کا جواب قطعاً نہیں ہے، جو فطرتِ انسانی کے دماغ کی سطح سے ہر دور میں اُبھرتے رہیں گے، بل کہ سائنس کی خدمات کے سلسلے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس نے حقائق و اسرار کی جست جُو میں ان سوالات کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے، جو پچھلے صفحات میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

ان ساری تفصیلات کے بعد اب مَیں بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کر رہا ہوں کہ دنیا کی ساری مزعومہ الہامی اور غیر الہامی کتابوں میں صرف قرآن کریم ہی وہ تنہا کتاب ہے، جس نے فطرتِ انسانی کے سامنے حقیقت کا بالکل نقاب اُلٹ دیا ہے اور ان سارے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، جو انسانی تاریخ کے ہر عہد میں کائنات کے گوشے گوشے میں گونجتے رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، بل کہ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے حقائق کے چہرے سے صرف پردہ ہی نہیں اُٹھایا ہے، بل کہ ورق ورق پر افلا تبصرون، افلا تتفکرون، افلا تشعرون ، افلا تعقلون اور افلا یتدبرون جیسے کلمات کے ساتھ اہلِ خرد کو دعوت دی ہے اور اہلِ ذوق کے جذبۂ طلب کو بار بار اُبھارا ہے کہ وہ کائنات کے اسرار و حقائق معلوم کرنے کے لیے غور و فکر سے کام لیں،

Marfat.com

نیز خدا کی قدرت وحکمت کی آیات کا عقل وتدبر کے ساتھ مطالعہ کریں اور ذہانت و بصیرت کے ساتھ ایک صانع حکیم کی ان نشانیوں کو دیکھیں، جو اس کائنات ہستی میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔

جست جوئے شوق کے سفر کا آغاز:

اب آیئے قرآن حکیم کے پھیلے ہوئے اوراق میں ہم ان سوالات کے جوابات تلاش کریں اور غور کریں کہ کتنی فصاحت کے ساتھ قرآن نے اس منزل کی نشان دہی کی ہے، جس کی گرد راہ میں عقل انسانی آج تک اُلجھی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے انسانی تخلیق کے سوال پر قرآن حکیم کے یہ ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔ ان آیات میں اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے کہ پہلا انسان کس طرح عالم وجود میں آیا؟ اس کی تخلیق کہاں ہوئی؟ اس کا جوڑا کس طرح پیدا کیا گیا؟ دونوں جوڑے کہاں رہتے تھے؟ پھر زمین پر کس طرح لائے گئے؟ اور یہاں توالد کے ذریعہ نسل انسانی کا سلسلہ کس طرح آگے بڑھا اور بڑھتے بڑھتے آج تک پہنچا؟

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔" ۱

"اے افرادِ نسلِ انسانی! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھاری برادریاں بنادیں تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت وشرف والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۴۹، آیت: ۱۳

Marfat.com

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا، ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝'' ۱

''ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا، پھر اسے پانی کی بوند میں ایک محفوظ جگہ منتقل کیا، پھر اس بوند کو خون کے لوتھڑے کی شکل دی، پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا، پھر بوٹی کو ہڈیوں میں تبدیل کیا، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی، تو بڑی برکت والا ہے اللہ، سب سے بہتر بنانے والا۔''

۳۔ ان آیاتِ بینات کو دیکھیے!

''وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝'' ۲

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تم کو پیدا کیا مٹی سے، جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے، اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوڑے بنائے، تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی، یقیناً ان تمام چیزوں میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں، جو غور و

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۲۳، آیات: ۱۲۔۱۴

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۳۰، آیات: ۲۰، ۲۱

Marfat.com

فکر کرتے ہیں۔"

۴- اِن آیات پر غور کیجیے!

"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔" ۱

"اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا ہے جب کہ تمھیں کچھ بھی پتہ نہ تھا، اس نے تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر گزار رہو۔" ۲

۵- قرآن کریم کی یہ آیات دیکھیے!

"اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ○ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" ۳

"کیا ہم نے تمھیں بے قدر پانی سے نہیں پیدا کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا، ایک معین مدت تک، پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا۔"

۶- یہ آیات پڑھیے!

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ج وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔" ۴

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۶، آیت: ۷۸

۲- مصنف نے ترجمہ چھوڑ دیا تھا، اسے "فیضان القرآن" سے لیا گیا ہے۔

۳- قرآن کریم، سورت: ۷۷، آیات: ۲۰، ۲۱

۴- قرآن کریم، سورت: ۴۰، آیت: ۶۷

Marfat.com

''وہی تو ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تمھیں بچے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر تمھیں باقی رکھتا ہے کہ اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر اور موقع دیتا ہے کہ بڑھاپے کو پہنچو، پھر تم میں سے کوئی پہلے ہی اُٹھا لیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ تم اپنے مقرر وقت تک پہنچ جاؤ اور تا کہ تم حقیقت سمجھو!''

۷- ذرا ان آیات پر غور تو کیجیے!

''اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔'' ۱

''اللہ نے تمھیں پیدا فرمایا، پھر تمھیں رزق سے نوازا، پھر وہی تمھیں موت دے گا، پھر وہی تمھیں دوبارہ زندہ فرمائے گا، کیا تمھارے خود ساختہ شرکائے الوہیت میں سے بھی کوئی ہے، جو ان سارے کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو، ساری پاکیاں اسی کے لیے ہیں اور اس کی ذات تو بہت بلند ہے ان سے، جو تم اس کے ساتھ ٹھہراتے ہو۔'' ۲

۸- یہ آیاتِ بینات دیکھیے!

''وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا۔'' ۳

''اور وہی ہے جس نے پانی کی بوند سے ایک بشر پیدا کیا اور اسے بنا دیا خاندان والا اور سسرال والا، اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔''

۱- قرآن کریم، سورت: ۳۰، آیت: ۴۰

۲- مصنف نے ترجمہ نہیں لکھا تھا، اسے ''فیضان القرآن'' سے لیا گیا ہے۔

۳- قرآن کریم، سورت: ۲۵، آیت: ۵۴

Marfat.com

۹- انھیں پڑھیے!
"هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ" ۱
"وہی تمھاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ عزت وحکمت والا ہے۔"
اب ذرا آسمان، آفتاب وماہ تاب اور کہکشاؤں کی جھرمٹ کی طرف توجہ فرمائیے!

۱- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
"اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ، یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔" ۲
"بے شک تمھارا رب وہی اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں، پھر عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ فرما ہوا، وہ رات کو ڈھانپتا ہے دن سے، اس حال میں کہ دن اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، اور اس نے پیدا کیا سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو، جو اس کے حکم کے تابع ہیں، خبردار رہو اسی کی شان ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، بڑی برکت والا ہے اللہ، جو ساری کائنات کا رب ہے۔"

۲- یہ آیت پڑھیے!
"اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی

۱- قرآن کریم، سورت:۳، آیت:۶
۲- قرآن کریم، سورت:۷، آیت:۵۴

Marfat.com

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ'' ۱

''وہ اللہ ہی کی ذات ہے، جس نے آسمانوں کو نظر آنے والے ستون کے بغیر پیدا کیا ہے، پھر اپنی شان کے مطابق عرش پر جلوہ فرما ہوا اور پابند کیا سورج کو اور چاند کو ایک لگے بندھے قانون کا، ہر ایک رواں دواں ہیں وقت مقرر تک۔''

۳- ذرا اسے بھی تو دیکھیے!

''إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ أَن تَزُولَا وَ لَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا۔'' ۲

''بے شک اللہ ہی نے روک رکھا ہے آسمانوں اور زمینوں کو ٹلنے سے اور اگر وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا انھیں کوئی نہیں روک سکتا، بے شک وہ حلم والا بھی ہے اور مغفرت والا بھی۔''

۴- حیرت و استعجاب میں ڈوب کر ان آیات پر نظر ڈالیے!

''وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ۝ وَ أَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَ إِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَ أَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ۔'' ۳

''ہم نے تمھارے اوپر یکے بعد دیگرے سات آسمانی پٹیاں بنائیں، اور ہم مخلوق سے غافل نہ تھے، ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۳، آیت: ۲

۲- قرآن کریم، سورت: ۳۵، آیت: ۴۱

۳- قرآن کریم، سورت: ۲۳، آیات: ۱۷-۲۰

Marfat.com

برسایا، پھر اسے روے زمین کے نشیبی حصوں میں ٹھہرا دیا، اور ہم اسے بخارات بنا کر اُڑا دینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں، پھر ہم نے اس کی سیرابی سے تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات نمودار کیے، جن میں تمھارے لیے نوع بہ نوع کے بہتر ے میوے پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے تم کھاتے ہو، اور زیتون کے درخت بھی پیدا کیے جو عموماً طورِ سینا میں اُگتے ہیں، جو اپنے وجود میں تیل لیے ہوتا ہے، جسے کھانے والے سالن کی طرح استعمال کرتے ہیں۔" ۱

۵- آفتاب و ماہ تاب کے حوالے سے اسے پڑھیے!

"هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔" ۲

"وہی اللہ ہے، جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو چمک دار، اور چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کر سکو، اور نہیں پیدا کیا ہے اسے اللہ نے لیکن حق کے ساتھ، اور اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔"

۶- آسمان و زمین کی تخلیق کے حوالے سے دیکھیے!

"وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ○ وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ○ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○" ۳

۱- مصنف نے آیات کا ترجمہ نہیں لکھا تھا، انھیں "فیضان القرآن" سے لیا گیا ہے۔

۲- قرآن کریم، سورت: ۱۰، آیت: ۵

۳- قرآن کریم، سورت: ۵۱، آیات: ۴۷-۴۹

Marfat.com

''آسمان کو ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور ہم اس کی قوت رکھتے ہیں، ہم نے زمین کو فرش کی طرح بچھا دیا اور اسے بہترین طریقے پر ہموار کیا، اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم یاد کرو۔''

۷- سات آسمانوں کے پس منظر میں اسے پڑھیے!

''اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ○ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ۔'' ۱

''بہت برکت والی ذات ہے، جس نے سات آسمان بنائے اوپر نیچے، تجھے رحمٰن کی آفرینش میں کوئی رخنہ نظر نہیں آئے گا، پھر پلٹ کر دیکھ کہیں تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے، بار بار نگاہ دوڑا، تیری نگاہ تھک کر نامراد واپس لوٹ آئے گی، ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے، اور بنا دیا ہے انھیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ، اور ہم نے ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر لیا ہے۔''

آسمان کا حال آپ پڑھ چکے، اب بادو باراں کی طرف آیئے! کتنی وضاحت کے ساتھ قرآن نے انسانی ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے جوابات دیے ہیں۔

۱- بادو باراں کے حوالے سے ان پر غور کیجیے!

''هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ○ وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَ هُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ

۱- قرآن کریم، سورت: ۶۷، آیات: ۳-۵

Marfat.com

وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ۔" ۱

"وہی ہے جو تمھارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے، جنھیں دیکھ کر تمھارے اندر امید و بیم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، وہی پانی سے لدے ہوئے بادل اُٹھاتا ہے، بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہ کڑکتی ہوئی بجلی بھیجتا ہے اور انھیں جن پر چاہتا ہے عین اس حالت میں گرا دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، اس کی تدبیر بہت زبردست ہے۔"

۲- مزید وضاحت کے لیے اسے دیکھیے!

"وَ أَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَیْنَاکُمُوْهُ وَ مَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِیْنَ۔" ۲

"اور ہم بھیجتے ہیں بار آور ہواؤں کو، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں، تو تمھیں اس سے سیراب کرتے ہیں اور اس دولت کے خازن تم نہیں ہو۔"

۳- نزولِ بارش کے حوالے سے اسے پڑھیے!

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهُ ثُمَّ یَجْعَلُهُ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِن جِبَالٍ فِیْهَا مِن بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهِ مَن یَشَاءُ وَ یَصْرِفُهُ عَن مَّن یَشَاءُ یَکَادُ سَنَا بَرْقِهِ یَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ۔" ۳

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر اس کے

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۳، آیات: ۱۲، ۱۳

۲- قرآن کریم، سورت: ۱۵، آیت: ۲۲

۳- قرآن کریم، سورت: ۲۴، آیت: ۴۳

Marfat.com

ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے مینہ برسنے لگتا ہے، اور اللہ تعالیٰ آسمان سے اولے برساتا ہے، جو پہاڑوں کی طرح ہیں، پھر جسے چاہتا ہے، اس سے نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے بچا لیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی اچک لے جائے بینائی کو۔"

۴۔ بارش کے فیضانات کے جلوے دیکھیے۔

"وَ مِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَ طَمَعًا وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔" ۱

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے ڈراتی اور امید دلاتی، اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔"

اب زمین اور اس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے نباتات، حیوانات، پہاڑ، دریا، نہریں اور حشرات الارض کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیاتِ بینات ملاحظہ فرمائیں!

۱۔ نباتات کے حوالے سے یہ آیات دیکھیے!

"وَ هُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَ جَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَ أَنْهَارًا وَ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ وَ فِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَ جَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَ زَرْعٌ وَ نَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۳۰، آیات: ۲۴، ۲۵

Marfat.com

فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔'' ۱

''اور اللہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑوں کے لنگر کھڑے کیے، اور دریا بہائے، اور زمین میں ہر قسم کے پھل دو دو طرح کے، وہی رات سے دن کو چھپا لیتا ہے، یقیناً ان ساری چیزوں میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے، اور زمین میں مختلف قطعات ہیں پاس پاس، اور باغات اور کھجوروں کے پیڑ ہیں، ایک جڑ سے کئی تنے والے بھی اور ایک تنے والے بھی، انھیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اس کے باوجود ہم مزے میں کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو ایک سے کم، بے شک ان ساری چیزوں میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

۲۔ زمینی پیداوار کے بارے میں پڑھیے۔

''وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ۔'' ۲

''اور جو اچھی زمین ہے، وہ اللہ کے حکم سے خوب اچھا پھل لاتی ہے، اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا، اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کو بار بار پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے سامنے جو شکر گزار ہیں۔''

۳۔ ایک اور جھلک ملاحظہ فرمایئے!

''وَ تَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍۭ بَھِیْجٍ○ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَ

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۱۳، آیات: ۳،۴

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۷، آیت: ۵۸

Marfat.com

أَنَّهٗ یُحۡیِی الۡمَوۡتٰی وَ أَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ '' ۱

''تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی ہوئی ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا وہ تروتازہ ہوگئی اور ہر قسم کا خوش نما سبزہ اُگانا شروع کردیا، یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے، اور وہی مردے زندہ کرتا ہے، وہ سب کچھ کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔''

۴- شہد کی مکھیوں کے حوالے سے پڑھیے!

''وَ أَوۡحٰی رَبُّكَ إِلَی النَّحۡلِ أَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ○ثُمَّ كُلِیۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسۡلُكِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ أَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ۔'' ۲

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں میں اپنے لیے چھتہ بنا، پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چل، اس مکھی کے اندر سے مختلف رنگت کا ایک مشروب نکلتا ہے، جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں اصحابِ بصیرت کے لیے کھلی ہوئی نشانی ہے۔''

۵- آبی غذا کے بارے میں اسے دیکھیے!

''وَ هُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَأۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَ تَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا وَ تَرَی الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِیۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ○وَ أَلۡقٰی فِی الۡأَرۡضِ

۱- قرآن کریم، سورت:۲۲، آیات:۵، ۶

۲- قرآن کریم، سورت:۱۶، آیات:۶۸، ۶۹

Marfat.com

رَوَاسِیَ أَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ أَنْهَارًا وَ سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ۔" ١

"وہی ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس سے ترو تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت و آرائش کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین پر پہاڑوں کے لنگر نصب کر دیے تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے اور اس نے دریا بہائے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم رہ نمائی حاصل کر سکو۔"

٦- جانوروں سے استفادہ کرنے کے بارے میں پڑھیے!

"وَ الْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَأْکُلُوْنَ○ وَ لَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ○ وَ تَحْمِلُ أَثْقَالَکُمْ إِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بَالِغِیْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○ وَ الْخَیْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَ زِیْنَةً وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔" ٢

"اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمھارے لیے پوشاک بھی ہے اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی ہیں، نیز تمھاری خوراک بھی، اور ان میں تمھارے لیے کتنا خوش نما منظر ہے جب کہ صبح کے وقت تم انھیں چرانے کے لیے لے جاتے ہو اور جب شام کو انھیں واپس لاتے ہو، اور وہ تمھارا بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں، جہاں سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، بے شک تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔"

١- قرآن کریم، سورت: ١٦، آیات: ١٤، ١٥

٢- قرآن کریم، سورت: ١٦، آیت: ٥-٨

Marfat.com

۷- دودھ جیسی نعمت کے بارے میں غور کیجیے!

"وَ إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشَّارِبِينَ۔" ۱

"اور بے شک تمھارے چوپایوں میں بھی ایک سبق موجود ہے، ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر ہم تمھیں پلاتے ہیں، جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے۔"

۸- پہاڑوں اور پرندوں کے حوالے سے پڑھیے!

"وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فَاعِلِينَ○ وَ عَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ○ وَ لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ۔" ۲

"داؤد کے لیے ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا، جو اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، اور یہ ہمارے کام تھے، اور ہم نے تمھارے فائدے کے لیے انھیں زرہ بنانے کی صنعت سکھادی تاکہ وہ تمھیں ایک دوسرے کی ضرب سے بچائے اور ہم نے سلیمان کے لیے تیز وتند ہوا کو مسخر کردیا، جو چلتی تھی ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور ہمیں ہر چیز معلوم ہے۔"

۹- تخم ریزی، بادوباراں اور آگ کے بارے میں کھلا چیلنج ملاحظہ کیجیے!

"أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ○ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ○ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ○ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ○ بَلْ

۱- قرآن کریم، سورت:۱۶، آیت:۶۶

۲- قرآن کریم، سورت:۲۱، آیات:۷۹۔۸۱

Marfat.com

نَحۡنُ مَحۡرُومُونَ ○ أَ فَرَأَيۡتُمُ الۡمَاءَ الَّذِي تَشۡرَبُونَ ○ أَ أَنتُم
أَنزَلۡتُمُوهُ مِنَ الۡمُزۡنِ أَمۡ نَحۡنُ الۡمُنزِلُونَ ○ لَوۡ نَشَاءُ جَعَلۡنَاهُ
أُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُونَ ○ أَفَرَأَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ○ أَ أَنتُم
أَنشَأۡتُمۡ شَجَرَتَهَا أَمۡ نَحۡنُ الۡمُنشِئُونَ ○ '' ١

''یہ بیج جو تم بوتے ہو کبھی اس کے تعلق سے تم نے سوچا! کہ ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں، ہم اگر چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ، ہائے! ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے، ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں، کبھی تم نے غور سے دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اسے بادل سے برسایا ہے، یا ہم برسانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا دیں، پھر تم شکر گزار کیوں نہیں ہوتے، کبھی تم نے محسوس کیا کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟''

۱۰- لوہے سے استفادہ کے بارے میں:

''وَ أَنزَلۡنَا الۡحَدِيدَ فِيهِ بَأۡسٌ شَدِيدٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔'' ٢

''اور ہم نے لوہا پیدا کیا، اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے طرح طرح کے فائدے۔''

١- قرآن کریم، سورت: ۵۶، آیات: ۶۳-۷۲

٢- قرآن کریم، سورت: ۵۷، آیت: ۲۵

Marfat.com

Marfat.com

الرحمٰن الرحیم

پرورش کے لیے رحمت ومہربانی وصفِ لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کے سر پر پرورش کی ذمہ داری ڈالی گئی تو اس کے سینے میں ''ماںتا'' کا ایک چشمۂ رحمت جاری کر دیا گیا۔ یہی وہ عاطفۂ محبت ہے جو اس راہ کی ساری زحمتوں اور کلفتوں کو ماں کے لیے خوش گوار بنا دیتا ہے۔ ورنہ ایک بچہ اپنی ماں کو جس بری طرح تنگ کرتا ہے، بال نوچتا ہے، تھپڑ مارتا ہے، کپڑے کھینچتا ہے، پچھاڑیں کھا کھا کر ضد کرتا ہے، ہر وقت اپنی ماں کی گود سے چپکے رہتا ہے، اگر یہ جذبۂ رحمت شریک حال نہ ہو، تو چند ہی منٹ میں وہ مشتعل ہو جائے اور ساری ضد، سارا نخرا اور ساری شرارت خاک میں مل جائے۔ لیکن قربان جایئے اس ماںتا کے کہ وہ چمٹے ہوئے بچے کے ساتھ پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے، تاہم اسے غصہ نہیں آتا، بار بار بال نوچتا ہے، تھپڑ مارتا ہے، کپڑے کھینچتا ہے، لیکن اس کی پیشانی پر شکن کے بہ جائے ہونٹوں پر خوشی کے آثار جھلکتے ہیں۔ اور وہ وقت سب سے زیادہ صبر آزما اور پیچیدہ ہوتا ہے جب بچہ ضد کرتا ہے اور زبان سے بتا نہیں سکتا کہ وہ چاہتا کیا ہے؟ ماں اس کا اشارہ سمجھنے میں غلطی کرتی ہے تو بچے کا اِضطراب اور بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح کے موقع پر ماں جس صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

پھر بچے کی خوشی اور راحت وتسکین کے لیے ماں کے اِیثار وقربانی کا یہ سلسلہ دو چار دن کا نہیں ہوتا ہے، بل کہ مہد سے لے کر لحد تک، ماں اپنے بچے کے لیے محبت کی

Marfat.com

آگ میں اسی طرح سلگتی رہتی ہے۔

ماں کا یہی وہ جذبۂ مہر و شفقت ہے، جسے سمجھانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے بہ طور تمثیل ایک واقعہ ذکر کیا۔

راویت کے مطابق حضور انور ﷺ نے ایک دن مجمعِ صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک بدچلن نوجوان تھا، جس کی بوڑھی ماں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ پالتی تھی۔ ایک عورت کے ساتھ اس کے بیٹے کی آشنائی ہوگئی۔ جب تعلقات بڑھ گئے تو اس کا زیادہ تر وقت اس کے پاس ہی گزرنے لگا۔ ایک رات وہ نوجوان جب اس عورت کے پاس آیا تو اس نے اپنا منہ پھیر لیا اور روٹھ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ نوجوان نے اسے منانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ اخیر میں اس نے کہا کہ مَیں صرف اس شرط پر راضی ہوسکتی ہوں کہ تو اپنی ماں کا کلیجہ نکال کر میرے پاس لا، تاکہ میری راہ میں وہ رکاوٹ نہ بن سکے۔ نوجوان نے کہا کہ میں ابھی تیری خواہش پوری کرتا ہوں۔ وہ جلدی جلدی اس حالت میں اپنے گھر آیا کہ نفس کا شیطان پوری طرح اس کے اوپر مسلط تھا۔ اس کی ماں دروازے پر بیٹھی اپنے بیٹے کا انتظار کررہی تھی۔ جیسے ہی اس کے قدموں کی آہٹ ملی، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

میرا لال! تو اتنی رات تک کہاں تھا، میں نے تیرے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھایا ہے۔ چل کھانا کھالے، تاکہ میں بھی حلق کے نیچے دو چار لقمے اتارلوں۔

بیٹے کے نفس پر شیطان پوری طرح سوار تھا۔ اس نے کوئی جواب دیے بغیر اپنی ماں کو زمین پر پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر چھری نکالی اور پیٹ چاک کرنے لگا۔

ماں نے کراہتے ہوئے کہا: بیٹا تو دن بھر کا بھوکا پیاسا تھا، کم از کم کھانا تو کھالے تاکہ تیری بھوک کا غم لے کر میں نہ مروں۔

ظالم بیٹے نے پیٹ چاک کر کے دل نکالا اور ماں کی لاش کو بے گور و کفن چھوڑ کر

Marfat.com

اپنی مٹھی میں دل لیے ہوئے اس عورت کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک اندھیری گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے ٹھوکر لگی اور وہ گرنے لگا کہ اتنے میں دل سے آواز آئی:

میرے لال! ذرا سنبھل کر چل، تجھے چوٹ نہ لگ جائے!

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے کی جتنی محبت اس ماں کے دل میں تھی، اس سے کہیں زیادہ محبت اللہ کو اپنی مخلوق سے ہے۔ اور وہ ماں اپنے بیٹے پر جتنی مہربان تھی، اس سے کہیں زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں تو صرف ایک بچے کی پرورش کا معاملہ تھا اور جو سارے جہان کو پال رہا ہے، اس کے رحم و کرم کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ غالباً اسی نکتے کو سمجھانے کے لیے ایک ہی معنی کے دو الفاظ یہاں جمع کر دیے گئے ہیں۔ رحمت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کیا صرف ''الرحمٰن'' یا ''الرحیم'' کافی نہیں تھا؟ پورا قرآن پڑھ جائیے، آپ کو کہیں بھی یہ دونوں صفاتی اسما ایک ساتھ نہیں ملیں گے۔ ان دونوں کلمات کے بہ ہم ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالمین کی ربوبیت و پروردگاری کے لیے بے پایاں، لامحدود اور گوناگوں جلوہ ہائے رحمت و کرم کی ضرورت ہے۔ رحمت و کرم کا اس سے بڑا نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ مخلوقات میں جو پیدائشی تابع دار ہیں، ان کی بھی پرورش ہو رہی ہے اور جو باغی ہیں، انھیں بھی پالا جا رہا ہے۔ آسمان سے پانی برستا ہے، تو مومن اور کافر دونوں کے کھیت سیراب ہوتے ہیں، دھوپ نکلتی ہے، تو جہاں چمکتی دھوپ مومن کا آنگن روشن کرتی ہے، وہاں کافر کی دیوار و در بھی چمکنے لگتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ زمین میں مسلمان کا بویا ہوا بیج پروان چڑھے اور کافر دانہ ڈالے تو سڑ جائے۔ یہ ساری بہار اسی رحمت کی ہے جو رحمٰن میں بھی جلوہ گر ہے اور رحیم میں بھی۔ ۱

۱- قرآن کریم میں یہ دونوں صفاتی اسما یعنی 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کئی مقامات پر یک جا ہیں؛ مثال کے طور پر دیکھیے!

سورۂ بقرہ، آیت: ۱۶۳- سورۂ فصلت، آیت: ۲- سورۂ نمل، آیت: ۳۰- سورۂ حشر، آیت: ۲۲

Marfat.com

Marfat.com

عقیدۂ آخرت ۱

تاریخ انسانی کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں خوف و دہشت تصورِ الٰہ کا لازمہ تھا۔ لوگ اسے خدا سمجھتے تھے، جو نہایت ہی خوف ناک اور بھیانک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب کی قہر آلود تمازت و حرارت پر نگاہ ٹھہری تو اسے خدا سمجھنے لگے اور جب آگ میں بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلانے کی صلاحیت دیکھی تو اس کے آگے فرطِ عقیدت سے جھک گئے، پھر جب پانی کے بہاؤ سے لالہ زاروں کو کھنڈروں میں تبدیل ہوتے دیکھا، تو اسے خدا سمجھ بیٹھے۔ اس طرح تصورِ الٰہ میں خوف و دہشت کا جو عنصر غالب تھا، اسے اللہ ربّ العزت نے یک لخت

۱۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے سورۂ فاتحہ کے پہلے حصے "حمد" سے متعلق گفت گو کرنے کے بعد "آخرت" کے عنوان کے تحت چند آیاتِ قرآنیہ نقل کیں اور انھیں یوں ہی چھوڑ دیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بعد میں ان کے حوالے سے کچھ لکھنا چاہتے تھے، مگر گوناگوں مصروفیات کے سبب انھیں مہلت نہ ملی۔ بہ ہر کیف اپنے ٹوٹے پھوٹے جملوں سے کچھ باتیں عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، صرف اس جذبے میں کہ اگر مندرجہ بالا عنوان کے تحت کچھ نہ کہا گیا، تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر مکمل نہیں سمجھی جائے گی۔ لہٰذا یہاں سے لے کر اس فصل کے اخیر تک جو کچھ بھی ہے، میرے قلم سے ہے۔ اگر یہ حق ہے، تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات و نوازشات، نیز مصنف علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرفات کی جھلک ہے اور اگر کوئی نقص و قصور ہے، تو یہ میری کوتاہ نظری سے ہے۔

Marfat.com

ختم کر دیا اور فرمایا کہ پروردگارِ حقیقی نہایت رحم و کرم فرمانے والا بھی ہے اور سرچشمۂ رحمت و شفقت بھی، تاہم اس تصور کے بعد ہو سکتا تھا کہ لوگ اس کی ہدایات و اِرشادات سے بالکل بے نیاز ہو جاتے اور رحمت و شفقت کا تصور انھیں لاپروا بنا دیتا، اس لیے کہا جا رہا ہے کہ وہ یومِ جزا کا مالک بھی ہے۔

خوب صورت پیرایۂ بیان:

لغوی اِعتبار سے ''دین'' کے معنی ''جزا و بدلہ'' کے ہیں۔ غور کیجیے کے وہ خالق کائنات ہے، اپنے بندوں پر قہر و غضب نازل کرے، تو کسے مجالِ انکار، تاہم وہ اپنی سخت گرفت کا تذکرہ بھی کر رہا ہے، تو بڑے حسین پیرایۂ بیان میں کہ اس کا احتساب سرتاسر ''جزا و بدلہ'' کے پس منظر میں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ پروردگارِ حقیقی اپنے بندوں کے لیے رحیم و کریم ہے اور ساتھ ہی ساتھ عدل و انصاف کی روشنی میں احتساب کرنے والا بھی۔ یہیں سے یہ اشارہ بھی مل گیا کہ اگر وہ کسی پر قہر و غضب برسا رہا ہے، تو اس لیے نہیں کہ اسے پسند کرتا ہے، بل کہ اس لیے کہ اس نے خود گم راہی و ضلالت، سرکشی و تعنت اور گناہ و معصیت اِختیار کر کے اسے اپنے اوپر پڑنے کی راہ ہموار کر لی ہے۔

''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَ مَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔''[1]

''جس نے نیکی کی تو اس نے اپنے لیے ہی کی، اور جس نے برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی کے سر ہے، اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

اسی پس منظر میں یہ آیت کریمہ دیکھیے!

۱- قرآن کریم، سورت:۴۱، آیت:۴۶

Marfat.com

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔" ۱

"اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا، جو نیکیاں اس نے کی ہیں، اس کے ثمرات بھی اسی کے لیے ہیں اور جو گناہ اس نے کیے ہیں، ان کا وبال بھی اسی کے سر ہے۔" (فیضان القرآن)

مزید وضاحت کے لیے یہ آیت پڑھیے!

"اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔" ۲

"آج ہر جان اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ پائے گی، آج کسی پر زیادتی نہیں ہوگی، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔" (فیضان القرآن)

ایک ایمان افروز نکتہ:

اللہ ربّ العزت نے سب سے پہلے اپنی صفت ربوبیت و رحمت کا ذکر جمیل فرمایا ہے۔ اس سے یہ اِشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت ہم پر بغیر کسی سبب کے ہے، جب کہ اس کی گرفت ہماری اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہے۔ ذرا دیکھیے تو سہی کہ شکم مادر میں نطفہ ابھی ٹھہرا ہی ہے کہ کارخانۂ ربوبیت و مرحمت کے سارے عوامل اسے اپنے حصار میں لے لیتے ہیں۔ اندھیری کوٹھری میں بھی اسے زندہ رکھنے کے اِہتمامات ہو رہے ہیں، بل کہ اسے پروان بھی چڑھایا جا رہا ہے۔ پھر جب نو مہینے کے بعد ولادت ہوئی تو اسے ماں کے سینے سے لطیف دودھ فراہم کیا جا رہا ہے اور جیسے جیسے نظامِ ہاضمہ میں پختگی آتی جا رہی ہے، ویسے ویسے قدرتِ الٰہی اسے کثیف بھی بناتی جا رہی ہے۔ شدتِ تکالیف کے اظہار کے لیے بچے کو رونے اور چیخنے کے گر سکھائے

۱- قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۸۶

۲- قرآن کریم، سورت:۴۰، آیت:۱۷

Marfat.com

جا رہے ہیں۔ تھوڑے دنوں بعد اسے بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی صلاحیتیں بخشی جا رہی ہیں، پھر اسے چلنے اور دوڑنے پر قدرت دی جا رہی ہے۔ چند سال گزرتے ہی اسے قوتِ گویائی اور لکھنے پڑھنے کا شوق عطا کیا جا رہا ہے۔ چند لمحے کے لیے سوچیے تو سہی کہ بچے نے اب تک کون سا نیک عمل کیا ہے کہ اس کی بدلے میں رحمت الٰہی ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہی ہے؟ ایک نہیں، سو بار کوششیں کر کے دیکھ لیجیے، لیکن ایک نیکی بھی آپ کے ہاتھ نہیں لگے گی۔ یہاں سے یہ بات دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی رحمت و شفقت اپنے بندے پر بغیر کسی سبب کے ہوا کرتی ہے۔ اب اگر وہ اسی سائے میں اخیر وقت تک جیتے رہنا چاہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ دینے والے کی ہدایات پر عمل کرتا رہے اور اسے ہر حال میں خوش رکھے۔

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔" ۱

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں کوئی تبدیلی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود کو تبدیل نہ کرلے۔" (فیضان القرآن)

"ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَ أَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔" ۲

"اس حوالے سے دستورِ الٰہی یہ ہے کہ جب اللہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے، تو اسے اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود نہ بدل جائیں، بلاشبہ اللہ تو سب کچھ سننے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی۔" (فیضان القرآن)

ایک اور نکتہ:

اچھا پھر یہ بھی دیکھیے کہ جب کوئی کسی کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت، عنایت و

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۳، آیت: ۱۱

۲- قرآن کریم، سورت: ۸، آیت: ۵۳

Marfat.com

رواداری اور چارہ سازی و دردمندی کا مظاہرہ کرے، پھر وہ اس بے پایاں احسانات کے باوجود اپنے محسن سے منہ پھیر لے، تو اس کے حوالے سے محسن کا غم وغصہ سات ویں آسمان پر پہنچ جاتا ہے اور وہ غیظ وغضب کے اظہار میں عدل و انصاف کے سارے تقاضے پرے رکھ دیتا ہے۔ عام طور پر ایسے لمحات میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ محسن کی ناراضگی واقعہ کے عین مطابق ہے بھی یا نہیں، بل کہ توجہ صرف اس پر ہوتی ہے کہ فضل وکرم کرنے والے نے کس قدر فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا؟

یہاں پہنچ کر بلا تمثیل کہنے دیا جائے کہ اپنے بندوں پر خدائے بزرگ و برتر کی عنایات ونوازشات کا کیا پوچھنا، شکم مادر سے لے کر پیدائش تک، پیدائش سے لے کر جوانی تک، جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اور بڑھاپے سے لے کر قبر کی دہلیز تک، قدم قدم پر اس کی رحمت وشفقت دست گیری کرتی رہتی ہے اور ہمہ وقت سایہ فگن رہتی ہے۔ پھر اگر بندہ راہ راست سے بھٹک جاتا ہے، تو عمومی ضابطہ کے مطابق قہر وغضب کے اظہار میں شدت نہیں برتی جاتی، بل کہ ایسے حالات میں قطعی عدل و انصاف کی راہ اپنائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ احتساب لینے کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ''دین'' سے بہتر کوئی دوسرا لفظ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس میں ایک طرف الطاف وعنایات کے مفاہیم ہیں تو دوسری جانب مواخذ و مکافات اعمال کے، اور وہ بھی ظلم وزیادتی اور شدت وسختی کے ساتھ نہیں، بل کہ عدل و انصاف کے ساتھ، فضل وکرم کے ساتھ، اِفادہ وفیضان کے ساتھ اور احسان ونوازش کے ساتھ۔

اِنسانی زندگی پر عقیدۂ آخرت کا اثر

یہ درست ہے کہ ایک انسان کو صرف اپنے خالق حقیقی کی چوکھٹ پر ہی سر نیاز خم کرنا چاہیے اور اسی کی ہدایات پر عمل بھی کرنا چاہیے، تاہم ہزار کوششوں کے باوجود کبھی کبھی اس کے قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں

Marfat.com

ندامت و شرم ساری کے جذبات بیدار کرنے اور پائے ثبات کو لغزشوں سے بچانے میں عقیدۂ آخرت بڑا ہی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

آئیے اِس پس منظر میں مختلف جہتوں سے قرآن کریم کی چند آیاتِ بینات ملاحظہ کرتے ہیں!

پابندیِ نماز کے حوالے سے:

''وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○'' ۱

''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بے شک نماز بہت مشکل کام ہے، مگر ان خدا ترس بندوں کے لیے نہیں جو اپنے پروردگار سے ملاقات پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے پر بھی۔''

عزم و ثبات کے حوالے سے:

''فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْ اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔'' ۲

''پس ہوا یہ کہ جب طالوت اور اس کے ساتھ مشرف بہ ایمان ہونے والے خوش بخت افراد نہر عبور کر گئے، تو وہ بدنصیب جنھوں نے سیراب ہو کر پانی پی لیا تھا بول پڑے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کی سکت نہیں، مگر وہ لوگ جنھیں اللہ کی بارگاہ میں پیش

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۲، آیت: ۴۵، ۴۶

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۲، آیت: ۲۴۹

Marfat.com

ہونے کا یقین تھا، وہ پکار اُٹھے کہ کئی بار چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں ہیں، اور اللہ صبر وشکیب کا دامن تھامے رہنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (فیضان القرآن)

دیکھ رہے ہیں آپ! دشمنوں سے مقابلے کے لیے یہ عزم وثبات اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر یقین کامل کے ثمرات میں سے ہے۔

جزائے اعمال کے حوالے سے:

''وَ الْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِآیَاتِنَا یَظْلِمُوْنَ○'' ۱

''اس دن اعمال ضرور تولے جائیں گے، پس جن کے اعمال حسنہ کے پلڑے بھاری ہوئے، تو وہی کام یاب قرار دیے جائیں گے۔ اور جن کے اعمالِ حسنہ کے پلڑے ہلکے رہے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے، جنھوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا کیوں کہ وہ ہماری نشانیوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے تھے۔'' (فیضان القرآن)

یومِ آخرت پر ایمان کے نتیجے میں اعمال کے تولے جانے پر یقین ہوتا ہے، جو بہ راہِ راست ہمارے شب وروز کی کارکردگی پر مثبت اثر ڈالتا ہے۔

آتش جہنم کے حوالے سے:

''إِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَأَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ آیَاتِنَا غَافِلُوْنَ○ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ○'' ۲

۱- قرآن کریم، سورت:۷، آیات:۸، ۹

۲- قرآن کریم، سورت:۱۰، آیات:۷، ۸

Marfat.com

''درحقیقت جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر ہی مگن بھی ہیں اور مطمئن بھی، نیز وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے، بہ سبب ان حرکتوں کے، جو وہ کیا کرتے ہیں۔'' (فیضان القرآن)

نہایت ہی صراحت کے ساتھ اعلان کیا جارہا ہے کہ آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے آتش جہنم تیار ہے۔

اِکارتِ اعمال کے حوالے سے:

''وَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ''[۱]

''جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی اور آخرت میں پیشی کے تصور کو تسلیم نہیں کیا، ان کے سارے اعمال اِکارت گئے، ان کو تو انہیں کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (فیضان القرآن)

یہ آیت کریمہ صاف صاف پکار رہی ہے کہ یومِ آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے سارے اعمال منہ پر مار دیے جائیں گے اور ان پر اجر و ثواب کی ساری خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

نقصانِ عظیم کے حوالے سے:

''وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۔''[۲]

''جس دن اللہ انھیں جمع فرمائے گا، تو وہ یوں محسوس کریں گے گویا بس

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۷، آیات: ۱۴۷

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۱۰، آیت: ۴۵

Marfat.com

ایک گھڑی کے لیے ہی دنیا میں ٹھہرے ہیں، جب کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے، بلاشبہہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے، جنھوں نے اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے تصور کو جھٹلایا اور وہ کبھی بھی راہِ ہدایت سے آشنا ہونے والے نہیں تھے۔" (فیضان القرآن)

عذابِ الیم کے حوالے سے:

"إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَ أَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝" ۲

"بلاشبہہ یہ قرآن اس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور ان ایمان والوں کو بشارت بھی دیتا ہے جو نیک اعمال کرتے رہتے ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور اس حقیقت کا بھی وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

(فیضان القرآن)

امکانِ آخرت کا ثبوت:

یہ امر کسی پر مخفی نہیں کہ دنیا میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، پھر آغوشِ مادر میں دھیرے دھیرے پروان چڑھتا ہے، پھر عنفوانِ شباب کے مراحل سے گزرتے ہوئے عمر کے آخری حصے میں پہنچتا ہے اور ایک دن وہ بھی آتا ہے جب حیاتِ مستعار کی شمع پوری طرح بجھ جاتی ہے...... ٹھیک اسی طرح مٹی کے نیچے دبے ہوئے دانہ میں ننھی سی کونپل نمودار ہوتی ہے، پھر وہ قوانینِ فطرت کے سایہ میں پروان چڑھتے ہوئے تناور

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۷، آیات: ۹، ۱۰

Marfat.com

درخت کی صورت اختیار کر لیتی ہے، پھر دھیرے دھیرے سرسبز و شادابی ماند پڑنے لگتی ہے اور ایک دن اپنی بساطِ حیات سمیٹ کر نیست و نابود ہو جاتی ہے........یہی حال آفتاب کا ہے۔ صبح سویرے اُفق پر سرخی مائل روشنی نمودار ہوتی ہے، جو آہستہ آہستہ تیز ہوتی چلی جاتی ہے، پھر پورے آب و تاب کے ساتھ آفتاب کی کرنیں دنیا کے چپے چپے کو روشن کر دیتی ہیں، پھر دوپہر کے وقت وہ آگ برسانے لگتا ہے، پھر دھیرے دھیرے تمازت کم ہونے لگتی ہے اور شام ہوتے ہوتے قہر و غضب برپا کرنے والا آفتاب ڈوب جاتا ہے........ماہ تاب بھی کچھ انھی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ شفق کی لالی رُخصت ہوئی نہیں کہ ایک دن ہلالِ نو کے حسن و جمال سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، پھر دھیرے دھیرے اس کا حلقہ بڑھنے لگتا ہے، پھر ایک دن پورے طور پر دائرے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، پھر ایک جانب سے دیوار سکڑنے لگتی ہے اور ایک دن وہ بھی آتا ہے کہ چاند ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے........یہی کچھ ثمرات و خضرات کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ درخت پر سب سے پہلے کلی نمودار ہوتی ہے، کچھ دنوں بعد وہ پھول کی صورت اختیار کر لیتی ہے، پھر پھول جھڑ جاتا ہے اور عقب سے ایک ابھار کی نمود شروع ہو جاتی ہے، جو دھیرے دھیرے ایک تر و تازہ پھل میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر ایک خاص وقت کے گزرتے ہی وہ خراب ہونے لگتا ہے، بدبو اٹھتی ہے اور سڑ گل کر ختم ہو جاتا ہے۔

ہمارے اردگرد اس طرح کی ہزاروں مثالیں کیا یہ خموش اشارہ نہیں کر رہی ہیں کہ یہاں کی ہر ایک چیز فانی ہے۔ اور جب یہ روشن و تابناک حقیقت ہمیں بہ ہر حال تسلیم کرنی پڑتی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا مضائقہ ہے کہ یہ دنیا بھی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اسی سچائی کو بے نقاب کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

”کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ○ وَ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○“ ۱

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۵۵، آیات: ۲۶، ۲۷، ۲۸

Marfat.com

”جو کچھ روے زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف آپ کے پروردگار کی ذات ہمیشہ باقی رہے گی، جو عظمت و کبریائی والی بھی ہے اور شرف و بزرگی والی بھی۔ پس اے جنات و انسان! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“ (فیضان القرآن)

نقش کہن کے اشارے:

اچھا پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ جو چیز بھی دنیا میں ہے، وہ ایک طے شدہ نظام کے تحت مسلسل اپنی حالت بدلتی رہتی ہے۔ آج ہم اسے ایک حالت میں دیکھتے ہیں اور کل وہ ایک دوسری صورت اختیار کر لیتی ہے، اور بسا اوقات یہ تبدیلی اس قدر گہری ہو جاتی ہے کہ برسوں کی مانوس شخصیت بھی ہمارے لیے اجنبی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تغیر و تبدل، ترتیب و تخریب اور سکون و برہمی یہاں کی ہر چیز کا خاصہ ہے۔ موسم سے لے کر آب و ہوا تک، بشری خد و خال سے لے کر جسمانی ساخت تک، خوش ذائقہ طعام سے لے کر متعفن فضلات تک، خوب صورت مکانات سے لے کر اجڑی ہوئی بوسیدہ آبادیوں تک اور لہلہاتے ہوئے سرسبز و شاداب باغات سے لے کر بے آب و گیاہ صحرا تک...... فطرت کی ہر چیز بدلتی رہتی ہے۔

ایک پل کے لیے سنجیدگی سے غور کیجیے تو اسی تغیر و تجدد میں درسِ آخرت کی واضح نشانیاں بھی پوشیدہ دکھائی دیں گی اور وہ یہ کہ اسی تبدیلی کا یک لخت تھم جانا ہی تو ”اختتامِ کائنات“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی ذہن و تفکر کی رفاقت میں یہ آیت کریمہ پڑھیے!

”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔“ [1]

”بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں بھی اور گردش لیل و نہار میں بھی،

۱۔ قرآن کریم، سورت:۳، آیت:۱۹۰

Marfat.com

عقلِ سلیم رکھنے والوں کے لیے روشن وتابناک نشانیاں ہیں۔"

(فیضان القرآن)

معتمد مفسرین کے مطابق یہ آیت کریمہ قدرتِ خداوندی کے اثبات کے حوالے سے ہے، تاہم مَیں سمجھتا ہوں کہ یہی ایک آیت تخلیق وتدبیر کی جانب بھی اشارہ کرتی ہے اور تخریب واختتام کی جانب بھی۔ "آسمانوں اور زمین کی پیدائش" سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق پر ایمان ویقین کی دعوت دی جارہی ہے اور "گردشِ لیل ونہار" سے اِختتامِ کائنات کی جانب لطیف اشارہ بھی کیا جارہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو چیز گردش کرتی رہتی ہے، وہ ایک نہ ایک دن رُک بھی سکتی ہے اور یہی ٹھہراؤ بے جا طور پر "یومِ آخرت" سے موسوم کی جاسکتی ہے۔ کیا عجب اسی پوشیدہ پیغام کی نقاب کشائی کے پس منظر میں قرآنِ کریم نے اسے "عقلِ سلیم رکھنے والوں" کے لیے روشن وتابناک نشانیوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور روز وشب کی آمد ورفت سے خدائے علیم وحکیم کی قدرتِ کاملہ پر دلالت تو بہت ممکن ہے ہر شخص کی بساطِ فہم ونظر میں سما جائے، تاہم گردشِ لیل ونہار سے اِختتامِ کائنات کی درپردہ حقیقتوں کا اِدراک ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

تقریبِ فہم کے لیے ایک بچے کے ہاتھوں میں گردش کرتے ہوئے لٹو پر غور کیجیے۔ کیا کوئی یہ کہنے کی ہمت جتا سکتا ہے کہ لٹو یوں ہی ہمیشہ اپنے محور پر گھومتا رہے گا اور کبھی بھی ساکت نہیں ہوگا؟ یہ بات فہم وفراست سے عاری ہونے کی دلیل تو کہلائے گی، تاہم حقیقت واقعہ کی مناسب تعبیر ہرگز نہیں بن سکتی۔ لہٰذا چار وناچار یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ایک لٹو اپنے گھمانے والے کی قوت وصلاحیت کے تناسب کے مطابق کچھ دیر تک گھومے گا اور پھر اپنی حالت پر واپس آجائے گا۔

یہاں پہنچ کر کہنے دیجیے کہ یہ دنیا بھی ایک لٹو کی طرح ہے، اسے گردش دینے والی ذاتِ عظیم جب تک اسے چاہے گی، وہ گردش کرتی رہے گی اور جب وہ چاہے گی،

Marfat.com

اسے تھام لے گی۔ اور جس طرح لٹو گردش کے بعد اپنی اصلی حالت میں واپس آجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح یہ دنیا بھی اپنی اصلی حالت کی طرف عود کر جائے گی۔ زیر بحث مثال کو دیکھتے ہوئے تقابلی پس منظر میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی اصل ''عدم'' ہے، اسے خالق کائنات نے عدم سے وجود کا پیراہنِ جمیل عطا کیا ہے اور اسے متنوع، پرکشش اور دیدہ زیب گل بوٹوں سے آراستہ و پیراستہ کردیا ہے۔ وہ بلاشبہ قدرتِ کاملہ رکھتا ہے کہ جب چاہے، وجود کے غلاف کو کھینچ لے اور اسے واپس عدم کی جانب پھیر دے۔

یہیں سے یہ راز بھی آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہوگیا کہ جو ذات موجوداتِ کائنات کو گردش میں رکھنے پر قدرتِ کاملہ رکھتی ہے، وہ اسے ایک دن روک کیوں نہیں سکتی؟ اور یہ بھی پیشِ نگاہ رہے کہ کسی چیز کو ایک طے شدہ ضابطے کے مطابق مسلسل گردش میں رکھنا، اسے روکنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اور کیا یہ بھی کہنے کی بات ہے کہ جو عظمت و شرف والی ذات موجودات کائنات کو گردش میں رکھ کر ہمارے اعتبار سے زیادہ مشکل کام سرانجام دے رہی ہے، وہ اس کے مقابلے میں اسے روک کر قدرے کم مشکل کام کرنے پر قدرت کیوں نہیں رکھ سکتی؟

زمینی حقائق سے اِستدلال:

ایک انسان جب آنکھیں کھولتا ہے تو اپنے اردگرد سب سے پہلے ماں باپ سے مانوس ہوتا ہے۔ پھر وہ انواع و اقسام کی غذاؤں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اعضا کسی قدر توانا ہوئے تو آفتاب و ماہ تاب، جبل و کہسار، صحرا و سمندر، ستارے و سیارے، حیوانات و بہائم اور طرح طرح کے چرند و پرند پر نگاہ پڑتی ہے۔ قوتِ گویائی نہ سہی، لاشعور پکار اُٹھتا ہے کہ یہ سب کچھ خود بہ خود وجود میں نہیں آئے، بل کہ ایک عظیم ذات ہے، جو انھیں پیکرِ وجود سے آشنا کر رہی ہے۔

Marfat.com

اسی کے ساتھ یہ بات بالکل فطری ہے کہ جوذات انھیں عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، وہ انھیں دوبارہ معدوم کر کے وجود کی صورت عطا کیوں نہیں کر سکتی؟ کوئی شک نہیں کہ یومِ آخرت پر یہ سب سے زیادہ پختہ ومضبوط اور سہل و بسیط دلیل ہے، جو ایک ذی ہوش کے پیمانۂ فہم و فراست پر بھی پوری اترتی ہے اور ایک عام انسان کی سطحی نگاہوں سے بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

''أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ○ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَ نَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيمٌ ○ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○'' ١

''کیا انسان نے غور نہ کیا کہ ہم نے اسے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا ہے۔ وہ ہمارے اوپر عجیب وغریب مثالیں چسپاں کرتا ہے اور خود اپنی ہی پیدائش کی حقیقت بھول گیا، وہ کہتا ہے کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو انھیں کون زندہ کرے گا؟ اے محبوب! آپ کہیے کہ وہی زندہ فرمائے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔''

(فیضان القرآن)

مزید وضاحت کے لیے اسے پڑھیے!

''أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِءُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِءُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○'' ٢

١- قرآن کریم، سورت: ٣٦، آیات: ٧٧، ٧٨، ٧٩

٢- قرآن کریم، سورت: ٢٩، آیات: ١٩، ٢٠

Marfat.com

"کیا وہ مشاہدہ نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ نے تخلیق کی ابتدا فرمائی اور پھر وہ کس طرح اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، بلاشبہ ایسا کرنا اللہ کے لیے نہایت ہی آسان ہے۔ اے محبوب! کہیے کہ تم روے زمین کی سیر کرو اور ماتھے کی آنکھ سے دیکھو کہ کس طرح اللہ نے تخلیق کی ابتدا فرمائی اور پھر کس طرح وہی اللہ اسے دوبارہ اُٹھان دے گا، بلاشبہ اللہ سب کچھ کرنے پر کمال قدرت رکھتا ہے۔" (فیضان القرآن)

تخلیقی حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ دیکھیے!

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا وَ تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ أَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ۔" [1]

"اے لوگو! اگر تمھیں قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے میں کوئی شک ہے تو یہ غور کرو کہ ہم نے ہی تمھیں ابتداءً مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے تخلیق کرتے ہوئے اسے خون کے پھٹک میں تبدیل کیا، پھر اسے گوشت کے لوتھڑے سے کہ جس میں بعض اعضا جسم کی صورت واضح ہو جاتی ہے اور دوسرے کی زیر تکمیل ہونے کے سبب واضح نہیں رہتی ہے، تاکہ ہم تمھارے لیے اپنی کارفرمائیاں ظاہر کر دیں، اور پھر جسے چاہتے ہیں ایک طے شدہ مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں، پھر تمھیں ننھے کی

1- قرآن کریم، سورت: ۲۲، آیت: ۵

Marfat.com

صورت میں نکالتے ہیں، پھر تمھاری پرورش کرتے رہتے ہیں تاکہ تم جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ، پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم سے کچھ تو پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنی طوالت عمر کے ایسے ناکارہ حصے تک پہنچ جاتے ہیں، جہاں وہ سب کچھ جان کر بھی بھول جاتے ہیں، نیز اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ ایک وہ زمین جو مرجھائی ہوئی لگتی ہے، جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں، تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے، پھر طرح طرح کے خوش نما نباتات سے کھل اٹھتی ہے۔"

(فیضان القرآن)

تقاضائے فطرت:

یہ دنیا سب سے بڑے حکیم و دانا کی بنائی ہوئی ہے اور حکمت و دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں نہ اِفراط وتفریط ہو، نہ نقص و زیادتی ہو اور نہ ہی غلو و ظلم ہو، تاہم ہمیں بعض لوگ ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جو دوسروں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور قہر و غضب بن کر برستے رہتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی جو ظلم و زیادتی برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہاں بسا اوقات نہ ظالموں کو ان کے کیے پر سزا ملتی ہے اور نہ ہی ظلم سہنے والوں کے ساتھ اِنصاف ہو پاتا ہے، بل کہ اسی حال میں ظالم و مظلوم، قاہر و مقہور اور حاجب و محجوب، دونوں دنیائے فانی سے رُخصت بھی ہو جاتے ہیں۔ تصور کیجیے کہ اگر اس دنیا کے بعد کوئی اور دنیا ایسی نہ ہو، جہاں ظالم کو اس کے کیے کی سزا ملے اور مظلوم کے ساتھ اِنصاف ہو، تو پھر سرتاسر یہ دنیا کے بنانے والے کی کم زوری کہلائے گی، جو قطعی باطل ہے۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس دنیا کے بعد بھی ایک ایسی دنیا موجود ہے، جہاں ظالم کو سرکشی و بغاوت پر سزا ملے گی اور مظلوم کو اس کے سہنے پر جزا۔

Marfat.com

اور یہ بھی تقاضائے فطرت ہی ہے کہ جزا وسزا کی جملہ حتمی کارروائیوں کے لیے "اعمالِ نیک و بد" کے امکانات کے دروازے پورے طور پر بند کردیے جائیں، کیوں کہ یہ بات فہم وفراست سے بالاتر ہے کہ لوگ زیادتی کیے بھی جائیں اور سہنے والے سہتے بھی رہیں، اور ساتھ ہی ساتھ جزا وسزا کی کارروائیاں بھی جاری رہیں، ورنہ تو دنیا کے امتحان گاہ ہونے کا تصور ہی زیروزبر ہو جائے گا۔ اب بات یہ ہوئی کہ اگر جزا وسزا کے ضابطے پر اسی دنیا میں عمل کیا جائے، تو تخلیق کائنات کی حکمت ناقابل اعتنا ہو جائے گی اور اگر جزا وسزا کے تصور کو وہم وخیال قرار دے دیا جائے، تو تخلیق کائنات ہر جہت سے مکمل نہیں سمجھی جائے گی۔ لہٰذا جزا وسزا کے تصور کو ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ساری کائنات پورے طور پر ختم ہو جائے اور اِمکاناتِ اعمال کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں، پھر عدل و اِنصاف اور غیر جانب داری کے ساتھ سب کے اعمال نامے دیکھے جائیں اور حساب و کتاب کی ضروری کارروائیاں پوری کی جائیں۔

آخرت میں حسنات پر اجر وثواب اور سیئات پر سزا وعقاب کے حوالے سے یہ آیت کریمہ پڑھیے!

"وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى۔" ا

"آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا دے اور نیکی کرنے والوں کو ان کے اعمالِ صالحہ پر اجر وثواب سے نوازے۔"

مزید وضاحت کے لیے یہ آیت کریمہ دیکھیے!

"إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا إِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

ا۔ قرآن کریم، سورت:۵۳، آیت:۳۱

Marfat.com

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔'' ۱

''بالآخرتم سب کو اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، بلاشبہہ وہی پہلی بار تخلیق فرماتا ہے اور وہی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے گا، تاکہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، انھیں اِنصاف کے ساتھ بدلہ دے، اور جنھوں نے کفر و تعنت کی راہ اختیار کر لی تو ان کو کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے دیا جائے گا اور انھیں دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا کیوں کہ وہ کفر کرتے رہے ہیں۔'' (فیضان القرآن)

قیامت کی ہولناکیاں:

قرآنِ مقدس نے قیامت کے قہر و غضب، سختی و شدت اور وحشت و غربت کی خوف ناک تصویری جھلکیاں مختلف پیرایۂ بیان میں کھینچی ہیں۔ انھیں دیکھنے کی بات تو بہت دور کی ہے، صرف سنتے ہی حالت غیر ہو جاتی ہے اور خوف و دہشت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور رگوں کا خون منجمد ہو جاتا ہے۔

اس پس منظر میں صرف چند آیات سماعت کرتے چلیے!

''إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ○ وَ إِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ○ وَ إِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ وَ إِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ أَخَّرَتْ ○'' ۲

''جب آسمان پھٹ پڑے۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں۔ اور جب سمندر

۱- قرآن کریم، سورت: ۱۰، آیت: ۴

۲- قرآن کریم، سورت: ۸۲، آیات: ۱ سے ۵

Marfat.com

بہنے لگے۔ اور جب قبریں شق کر دی جائیں۔ پھر ہر شخص جان لے گا جو کچھ اس نے اپنے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آیا ہے۔“

(فیضان القرآن)

یہ آیت کریمہ بھی پڑھیے!

”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَ إِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ○ وَ إِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَ إِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَ إِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ○ وَ إِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَ إِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ○ وَ إِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ○ وَ إِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَ إِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ○ وَ إِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ○ وَ إِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ○“ ۱

”جب آفتاب لپیٹ دیا جائے۔ اور جب ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں۔ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑائے جائیں۔ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بھٹکتی پھریں۔ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں۔ اور جب سمندر سلگائے جائیں۔ اور جب انسانوں کے الگ الگ گروہ بنائے جائیں۔ اور جب زندہ درگور کی جانے والی سے پوچھا جائے کہ تو کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی؟ اور جب نامہ اعمال بے نقاب کیے جائیں۔ اور آسمان کی پرتیں ادھیڑی جائیں۔ اور جب جہنم بھڑکائی جائے۔ اور جب بہشت قریب کر دی جائے۔ پھر ہر شخص جان لے گا کہ وہ کس طرح کے اعمال لے کر حاضر ہوا ہے۔“ (فیضان القرآن)

۱۔ قرآن کریم، سورت:۸۱، آیات:۱ سے ۱۴ تک

Marfat.com

Marfat.com

اِعترافِ بندگی ۱

جب اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا پروردگار ہے تو کائنات کا مالک بھی وہی ہے، اور جب وہ مالک ہے تو اپنی مملوکہ شے کو جزا و سزا دینے کا حق بھی اسی کو ہے، اس لیے کہ قرآن کہتا ہے: ''مالك يوم الدين'' وہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ مالک ہے تو بندگی کا سر بھی اسی کے آگے جھکے گا۔ اس لیے قرآنِ کریم بندوں کی زبانی اقرار کرواتا ہے کہ ''اياك نعبد ''یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اتنے مراحل سے گزرنے کے بعد اب بندہ اِظہارِ مدعا کے لیے زبان کھولتا ہے کہ ''و اياك نستعين'' اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ جب وہی پروردگار ہے، جب وہی مالک ہے، جب وہی معبود ہے، تو ظاہر ہے کہ مددگار بھی وہی ہے۔

ایک اِعتراض کا جواب:

مخالفین اِسلام ''اياك نعبد و اياك نستعين'' کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ یہ آیت اپنے ظاہر کے اعتبار سے کلام خداوندی ہونے سے انکار کرتی ہے، کیوں کہ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' یہ اندازِ کلام

۱۔ اب یہاں سے سلسلۂ سخن دوبارہ قائدِ اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے اچھوتے اُسلوب اور متوازن فکر و نظر سے جوڑ لیجیے۔ مجھے اُمید ہے کہ سابقہ عنوان کے تحت میرے قلم سے نکلے ہوئے جملے آپ کے ذوقِ لطیف پر گراں نہیں گزرے ہوں گے۔

Marfat.com

بندے کا ہے، خدا کا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ خدا کا ہوتا تو انداز بیاں یوں ہوتا کہ ''تم میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے مدد چاہو!''

قرآن کے اندازِ بیان پر انگلی رکھنے سے پہلے خود اپنے اندازِ کلام کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے، کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات کی تہ تک پہنچنے میں خود اپنی ہی عقل حائل ہو جاتی ہے۔ حقیقت کا بے نقاب چہرہ سامنے ہوتا ہے، لیکن آنکھ غفلت کا شکار ہو جاتی ہے۔ کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں تھی، اپنے ہی گرد و پیش پر ایک نظر ڈال لی ہوتی تو بات قطعاً سمجھ میں آ جاتی۔

یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ انسان کی فطرت شعور کی مختلف منزلوں سے گزرتی ہے اور ہر منزل میں تعلیم و تلقین کا انداز یکساں نہیں ہوتا۔ انسان پر ایک دور وہ بھی آتا ہے جب وہ گھٹنوں کے بل چلتا ہے، پھر بہ تدریج شعور میں اِضافہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ تتلاتی ہوئی زبان میں جب وہ کچھ بولنے کے قابل ہو جاتا ہے، تو گھر کے قریبی رشتوں کے الفاظ اس کی زبان پر چڑھائے جاتے ہیں۔ ماں کہتی ہے ''ابا'' تو بچہ بھی کہتا ہے ''ابا''، ماں کہتی ہے ''بھیا'' تو بچہ بھی کہتا ہے ''بھیا''، ماں کہتی ہے ''ماموں'' تو بچہ بھی کہتا ہے ''ماموں''، حالاں کہ ماں جسے ابا، بھیا اور ماموں کہہ رہی ہے، وہ خود رشتے میں اس کا ابا، بھیا اور ماموں نہیں ہے، بل کہ اس کا شوہر، بیٹا اور بھائی ہے، لیکن بچے کی بے شعور فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ ابتدائی منزل میں بچے کی زبان پر کلام کرتی ہے۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد اب قرآن کے اندازِ بیان کا محل سمجھیے کہ ایک شیر خوار بچہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں جتنا بے شعور اور بے خبر گردانا جاتا ہے، معرفت الٰہی کے باب میں بندہ اس سے بھی کہیں زیادہ بے شعور اور بے خبر ہے۔ اس لیے بلا تمثیل خداے برتر جب اپنے بے شعور بندوں کو مناجات کی تلقین کرنا چاہتا ہے، تو بندوں کی زبان پر کلام کرتا ہے اور تلقین کے لیے وہی اندازِ بیان اختیار فرماتا ہے، جو نا سمجھ بچوں

Marfat.com

کے ساتھ برتا جاتا ہے۔

پھر تعلیم و تلقین کا یہ طریقہ صرف ضرورت ہی کا تقاضا نہیں ہے، بل کہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں انتہائی شفقت و محبت کا حامل بھی ہے۔ اس مقام پر بندگی کے حقیقی تاثرات کا جو کیف ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' میں ہے، وہ ''میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے مدد چاہو'' میں نہیں ہے۔

ایک مشہور مغالطہ اور اس کا جواب:

اس مقام پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''ایاك نستعين'' یعنی ''ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' میں جب مدد چاہے جانے کی نسبت خدا ہی کی طرف ہے، تو اب خدا کے سوا انبیا، اولیا، شہدا اور صلحا سے مدد چاہنا شرک ہے اور ایسا کرنے والے مشرک ہیں۔ خواہ یہ لوگ اپنے عقیدے کی کچھ بھی تاویل کریں، دامن اسلام میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

چوں کہ یہ بات، بات ہی کی حد تک نہیں ہے، بل کہ اس نے تشدد کا پیرایہ اختیار کر لیا ہے اور مشرک بنانے کا مشغلہ باضابطہ ایک مذہبی فرقے کا علامتی نشان بن گیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفصیل کے ساتھ اس بحث کا جائزہ لیا جائے۔

فریقین کا اِستدلال:

فریق اول یعنی غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک سمجھنے والے یہ کہتے ہیں کہ بندوں کی مدد کرنا خدا کی ایک صفت ہے، جو اسی کے ساتھ خاص ہے اور خدا کی صفت کو کسی غیر کے لیے تسلیم کرنا شرک ہے۔ خدا اپنی صفات کسی غیر کو عطا نہیں کرتا۔ اس لیے ذاتی اور عطائی کا فرق بھی کسی کو شرک سے نہیں بچا سکتا۔

فریق ثانی یعنی غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جائز سمجھنے والے یہ کہتے ہیں کہ خدا کی صفات ان معنوں میں اس کے ساتھ خاص ہیں کہ وہ ذاتی ہیں، لامحدود ہیں اور ازلی و

Marfat.com

ابدی ہیں۔ مظہر ہونے کی حیثیت سے جو صفات ہم خدا کے مقرب بندوں میں تسلیم کرتے ہیں، وہ ان معنوں میں نہیں، بل کہ وہ عطائی ہیں، محدود ہیں اور حادث ہیں۔ یہ فرق اگر ملحوظ نہ رکھا جائے اور آنکھ بند کر کے بندوں کی طرف عطائی صفات کی نسبت کو بھی شرک ٹھہرا دیا جائے تو قرآن کی بے شمار آیتوں کے درمیان تصادم لازم آجائے گا۔

ذیل میں قرآن کی آیات سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ ایک ہی صفت قرآن کریم نے خدا کے لیے ثابت کی ہے، پھر اسی کو بندوں کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

(۱) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔'' ۱

''اللہ ہی جانوں کو موت کے وقت وفات دیتا ہے۔''

دیکھیے یہاں ''وفات دینے'' کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف کی ہے اور وہ حصر کے ساتھ، لیکن دوسری جگہ وفات دینے کی نسبت فرشتوں کی طرف بھی فرمائی ہے۔

''قُلْ يَتَوَفّٰكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔'' ۲

''آپ کہہ دیجیے کہ تمھیں وفات دیتا ہے موت کا وہ فرشتہ، جو تم پر مقرر ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

(۲) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ۔'' ۳

''خدا ہی آسمان سے زمین تک امر عالم کی تدبیر فرماتا ہے۔''

دیکھیے یہاں ''تدبیر امر'' کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن پھر

۱- قرآن کریم، سورت: ۳۹، آیت: ۴۲

۲- قرآن کریم، سورت: ۳۲، آیت: ۱۱

۳- قرآن کریم، سورت: ۳۲، آیت: ۵

Marfat.com

اسی تدبیر امر کو قرآن نے دوسری جگہ فرشتوں کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے!

''فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا۔'' ۱

''قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبارِ عالم ان کی تدبیر سے ہے۔''

(۳) قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔'' ۲

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔''

دیکھیے یہاں ''خلق'' کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی ''خلق'' کی نسبت وہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی طرف بھی کرتا ہے۔

''أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ۔'' ۳

''میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ پرندہ ہو جاتا ہے۔''

(۴) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ۔'' ۴

''نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی، جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔''

دیکھیے یہاں ''احیا'' یعنی جلانے کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف کی ہے، لیکن پھر اسی ''احیا'' کی نسبت وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرتے ہوئے ان کی زبان فیض ترجمان سے کہلواتا ہے:

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۷۹، آیت: ۵

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۳۹، آیت: ۶۲

۳۔ قرآن کریم، سورت: ۳، آیت: ۴۹

۴۔ قرآن کریم، سورت: ۷، آیت: ۱۵۸

Marfat.com

"أُحْيِي الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ۔" ۱

"میں خدا کی حکم سے مردے کو جلاتا ہوں۔"

نوٹ: یہ بار بار قرآن مقدس کی آیتوں میں "باذنی" اور "باذن اللّٰہ" کی تکرار جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ "ذاتی" اور "عطائی" کا فرق واضح کرنے کے لیے ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہلواتا ہے:

"إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ۔" ۲

"یاد کیجیے جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے، جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔"

دیکھیے یہاں "رب" کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے قرآن اسی "رب" کی نسبت عزیز مصر کی طرف بھی کرتا ہوا نظر آتا ہے:

"إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ۔" ۳

"بے شک وہ مربی ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔"

(۶) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔" ۴

"بے شک وہی سمیع وبصیر ہے۔"

دیکھیے یہاں "سمیع وبصیر" کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف کی ہے، لیکن پھر "سمیع وبصیر" کی نسبت وہ ہر انسان کی طرف بھی فرماتا ہے:

۳- قرآن کریم، سورت:۳، آیت:۴۹

۴- قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۵۸

۳- قرآن کریم، سورت:۱۲، آیت:۲۳

۴- قرآن کریم، سورت:۱۷، آیت:۱

Marfat.com

''فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔'' ۱

''اور ہم نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا۔''

(۷) قرآن کریم مومنین کی زبان سے کہلواتا ہے:

''رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔'' ۲

''اے ہمارے رب! بے شک تو ہی رؤف ورحیم ہے۔''

دیکھیے یہاں قرآن نے ''رؤف ورحیم'' کی نسبت خدا کی طرف کی ہے، لیکن پھر انہیں صفات کی نسبت وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی فرماتا ہے:

''بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔'' ۳

''اور اہل ایمان کے لیے وہ رؤف ورحیم ہیں۔''

(۸) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔'' ۴

''پس اللہ بہترین نگہ بان ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

دیکھیے یہاں قرآن نے ''حفاظت'' کی نسبت خدا کی طرف کی ہے، لیکن پھر اسی صفت کی نسبت وہ فرشتوں کی طرف بھی کرتا ہے:

''وَيُرْسِلُ عَلَيْكُم حَفَظَةً۔'' ۵

''اور وہ بھیجتا ہے تم پر نگہبانوں کو...''

(۹) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ قرآن کریم، سورت:۷۶، آیت:۲

۲۔ قرآن کریم، سورت:۵۹، آیت:۱۰

۳۔ قرآن کریم، سورت:۹، آیت:۱۲۸

۴۔ قرآن کریم، سورت:۱۲، آیت:۶۴

۵۔ قرآن کریم، سورت:۶، آیت:۶۱

Marfat.com

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔" ۱

"نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا۔"

دیکھیے یہاں "حکم" کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی حکم کی نسبت وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی فرماتا ہے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔" ۲

"قسم ہے آپ کے رب کی کہ وہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے جھگڑے میں وہ آپ کو اپنا حاکم نہ مان لیں۔"

(۱۰) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔" ۳

"اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں کہ انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

دیکھیے یہاں "غیب" کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی صفت غیب کو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب فرماتا ہے:

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔" ۴

"اور رسول غیب کی باتیں بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔"

(۱۱) قرآنِ کریم مومنین کی زبان پر مناجات کے یہ الفاظ جاری فرماتا ہے:

"أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔" ۵

"اے خدائے بزرگ و برتر! تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس کافروں کی قوم پر تو ہمیں غالب فرمادے۔"

۱- قرآن کریم، سورت:۶، آیت:۵۷

۲- قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۶۵

۳- قرآن کریم، سورت:۶، آیت:۵۹

۴- قرآن کریم، سورت:۸۱، آیت:۲۴

۵- قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۸۶

Marfat.com

دیکھیے یہاں ''مولیٰ'' کی نسبت قرآن نے خدائے برتر کی طرف فرمائی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی لفظ کو سیّدنا جبرئیل علیہ السلام اور صحابہ کرام کی طرف بھی منسوب کرتا ہے:

''فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلٰئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔'' ۱

''پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کا کارساز ہے، جبرئیل اور صالح مومنین اس کے کارساز ہیں اور اس کے بعد عام فرشتے مددگار ہیں۔''

نوٹ: جو لوگ ''و ایاك نستعین'' کی آیت سے اِستدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن جب مدد چاہے جانے کی نسبت خدا کی طرف کرتا ہے، تو اب خدا کے سوا انبیا اور اولیا سے مدد چاہنا شرک ہے، اِلزامی طور پر ان سے بھی یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن ''مولانا'' کا لفظ خدا کے لیے استعمال کرتا ہے، تو پھر یہ لوگ اپنے آپ کو ''مولانا'' کیوں لکھتے اور کہتے ہیں؟ خدا کی صفت اپنی طرف منسوب کراتے ہوئے انھیں شرک کیوں نظر نہیں آتا.......؟

ہم چوں کہ نسبتوں کے درمیان ''ذاتی'' اور ''عطائی'' کے فرق کا اعتبار کرتے ہیں، اس لیے ہم پر کوئی اِلزام نہیں عائد ہو سکتا۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے، جن کے یہاں ''ذاتی'' اور ''عطائی'' کا کوئی فرق ہی نہیں ہے اور بالفرض کوئی فرق بھی کرے جب بھی وہ شرک سے نہیں بچ سکتا۔

(۱۲) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ۔'' ۲

''خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

دیکھیے یہاں ''ولی'' یعنی مددگار کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے،

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۶۶، آیت: ۴

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۱۸، آیت: ۲۶

Marfat.com

لیکن دوسری جگہ اسی ''ولی'' کی نسبت رسولِ اکرم ﷺ اور مومنین کی طرف بھی فرماتا ہے۔

''إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ....'' ۱

''یہ امر واقعی ہے کہ تمھارا مددگار اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں....''

اِس آیت میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور مومنین صالحین اپنی ظاہری حیات تک ہی ہمارے مددگار ہیں اور بعد وفات نہیں ہیں۔ جب قرآن نے تخصیص نہیں کی ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ حیات ظاہری کی تخصیص کر کے وفات کے بعد ان کی مدد کا انکار کرے اور اس طرح قرآن کی آیت کے عموم کو منسوخ ٹھہرا دے۔

(۱۳) قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ إِيَّاكُمْ۔'' ۲

''ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔''

دیکھیے یہاں ''رزق'' کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف فرمائی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی رزق کو بندوں کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

''وَ إِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتَامٰى وَ الْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِّنْهُ۔'' ۳

''جب میراث تقسیم ہوتے وقت اہل قرابت اور یتامیٰ اور مساکین موجود ہوں، تو انھیں بھی مال وراثت میں سے کچھ رزق دے دو!''

(۱۴) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

۱- قرآن کریم، سورت: ۵، آیت: ۵۵

۲- قرآن کریم، سورت: ۱۷، آیت: ۳۱

۳- قرآن کریم، سورت: ۴، آیت: ۸

Marfat.com

''أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔'' ۱

''اللہ نے اسے نعمت بخشی اور اسے رسول آپ نے بھی نعمت عطا فرمائی۔''

دیکھیے یہاں ایک ہی آیت میں ''نعمت'' عطا کرنے کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف بھی فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی جانب بھی۔

(۱۵) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔'' ۲

''اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومنین، جو آپ کے تابع فرمان ہیں۔''

دیکھیے یہاں ایک ہی آیت میں ''کافی'' ہونے کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف بھی فرمائی ہے اور مومنین کی جانب بھی کی ہے۔

(۱۶) قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''وَ مَا نَقَمُوْا إِلَّآ أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِه۔'' ۳

''انھیں نہیں برا لگا، لیکن یہی نا کہ اللہ اور رسول نے انھیں غنی کر دیا ہے۔''

دیکھیے یہاں ایک ہی آیت میں ''غنی کر دینے'' کی نسبت قرآن نے خدا کی طرف بھی کی ہے اور رسول ﷺ کی طرف بھی فرمائی ہے۔

(۱۷) قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''وَ لَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه وَ رَسُوْلُهٗ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْن۔'' ۴

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۳۳، آیت: ۳۷

۲۔ قرآن کریم، سورت: ۸، آیت: ۶۴

۳۔ قرآن کریم، سورت: ۹، آیت: ۷۴

۴۔ قرآن کریم، سورت: ۹، آیت: ۵۹

Marfat.com

''کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے اللہ اور اس کے رسول کے دیے پر اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، اب دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت والے ہیں۔''

دیکھیے یہاں بھی ایک ہی آیت میں ''دینے'' کی نسبت قرآن نے خدا کی جانب بھی کی ہے اور رسول اکرم ﷺ کی طرف بھی۔

غور و فکر سے قرآنِ مقدس میں تلاش کیا جائے تو اس طرح کی بہت سی آیتیں دست یاب ہوسکتی ہیں، تاہم ان لوگوں کے فریبِ نظر کا طلسم توڑنے کے لیے اتنی مثالیں بھی بہت کافی ہیں، جو بات بات پر مومنین اور صالحین کو شرک کا طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ اب وہی بتائیں کہ قرآنِ مقدس کی مذکورہ بالا سترہ آیتوں میں جو صفات خدا کی طرف منسوب ہیں، اگر کسی حیثیت سے بھی بندوں کی طرف ان کا اِنتساب شرک ہے، تو کیا معاذ اللہ قرآن شرک کا درس دے رہا ہے؟ اگر بہ قول ان کے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا بندوں کو اپنے صفات کا مظہر نہیں بناتا، تو پھر کیا کسی مسلمان کے لیے یہ تسلیم کرنا ممکن ہے کہ قرآن کی آیات خود ایک دوسرے سے متصادم ہیں، جب کہ ایک آیت انکار کرتی ہے اور دوسری آیت ثابت کرتی ہے۔

یہ تعارُض صرف دو ہی صورتوں میں دفع ہوسکتا ہے، یا تو معاذ اللہ صرف انہیں آیات کو مانا جائے، جن میں صفات کو خدا کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا گیا ہے اور بندوں سے نفی کی گئی ہے اور جن آیات میں بندوں کو ان صفات کا مظہر قرار دیا گیا ہے، ان کا برملا انکار کردیا جائے۔

یا پھر جن آیات میں صفات کو خدا کے ساتھ خاص ٹھہرایا گیا ہے اور بندوں سے نفی کی گئی ہے، وہاں یہ مراد لی جائے کہ خدا کی جملہ صفات ان معنوں میں اس کے ساتھ خاص ہیں کہ وہ ذاتی ہیں، لامحدود ہیں اور ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ اس طرح کی ایک صفت بھی اگر کوئی غیر خدا کے لیے تسلیم کرتا ہے تو وہ یقیناً، صریحاً، لازماً

Marfat.com

مشرک اور بے دریغ خارج اسلام ہے۔

اور جن آیات میں صفات کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے، وہاں یہ مراد لی جائے کہ ان معنوں میں بندے خدا کی صفات کا مظہر ہیں کہ وہ صفات بہ عطائے الٰہی انھیں حاصل ہوئے ہیں اور دو حدوں کے درمیان محدود ہیں؛ خدا کی عطا سے پہلے وہ صفات ان کے اندر موجود نہیں تھے۔ ان معنوں میں بھی بندوں کی طرف صفات کی نسبت کو جو شرک قرار دیتا ہے، وہ بندے کو خدا کا شریک نہیں، بل کہ خدا کو بندے کا شریک ٹھہرانا چاہتا ہے، اور یہ کائنات کا سب سے بدترین شرک ہے اور خدائے برتر کے حضور میں انتہائی ناپاک جسارت ہے۔

دفع تعارض کی مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے جو پہلی صورت کو اختیار کرتا ہے، وہ عملاً قرآن کے صرف ایک حصے پر ایمان رکھتا ہے، دوسرے حصے سے برملا انکار کرتا ہے۔ اب اپنا اسلام و ایمان کھو چکنے کے بعد وہ ساری اُمتِ مسلمہ کو مشرک بنا تا رہے، کیا ہوتا ہے؟ لیکن جو دوسری صورت کو اختیار کرتا ہے، وہ پورے کے پورے قرآن کا مومن ہے، اسی کا کلمہ، کلمہ ہے..... اسی کی توحید، توحید ہے...... اور اسی کا اسلام، اسلام ہے۔ وہ خدا کو بالذات لامحدود اور ازلی و ابدی، مددگار ٹھہرا کر ''و ایاك نستعین'' پڑھتا ہے اور خدا کی عطا سے مظہرِ عونِ الٰہی سمجھ کر انبیا اور اولیا سے مدد چاہتا ہے۔ اور جو ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار نہیں کرتا ہے، وہ آیات کے درمیان تصادم کرانا چاہتا ہے، وہ یہ خوف ناک منصوبہ لے کر اسلام کے دامن میں آیا ہے کہ قرآن کو قرآن ہی سے ٹکرا دیا جائے۔ اس طرح وہ دوستی کے پردے میں اسلام و قرآن کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

دعا

خدا کی حمد و ستائش اور اعترافِ بندگی کے بعد اب دُعا کا سلسلہ شروع ہوا اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اھدنا الصراط المستقیم'' یعنی اے معبود! تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا! دُنیا میں سب سے زیادہ جس لفظ کا استعمال ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے، وہ ''صراطِ مستقیم'' ہے۔ ہر گم راہ اور ہر غلط رو اپنے راستے کو صراطِ مستقیم کہتا ہے۔ کہنے کو راستے ہزاروں ہو سکتے ہیں، لیکن ان میں ''صراطِ مستقیم'' صرف ایک ہی ہوگا۔ آڑی ترچھی لکیریں بے شمار کھینچی جا سکتی ہیں، لیکن ان کے درمیان سیدھی لکیر صرف ایک ہی کھینچی جائے گی۔

تاریخ انسانی کا یہ تماشہ بھی کتنا دل چسپ ہے کہ راستے کی غلطی دو چار قدم یا دو چار فرلانگ چلنے کے بعد معلوم ہو جاتی ہے اور غلط رو مسافر پیچھے پلٹ آتا ہے، لیکن انسانی تاریخ کے نقطۂ آغاز سے لے کر آج تک گروہ در گروہ انسانوں کے کارواں جن مختلف راہوں پر چل رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس میں صراط مستقیم ایک ہی ہوگا، باقی سب راستے غلط ہوں گے تاہم چلتے ہوئے ہزاروں صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اب تک غلط رو قافلوں کو راستوں کی غلطی کا علم نہیں ہوا اور ہنوز وہ اس ہلاکت خیز خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں، وہی ''صراطِ مستقیم'' ہے۔ صراطِ مستقیم کا فیصلہ کرنا بہت آسان بھی ہے اور بہت مشکل بھی؛ مشکل کا اندازہ لگانے کے

Marfat.com

لیے ہزاروں صدی کی تاریخ ہمارے پاس موجود ہے۔ انسانوں نے عقل وخرد کی ہزاروں اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھادیں، گیتی کا سینہ شق کر کے چھپے ہوئے حقائق کا اِدراک کرلیا، لیکن سب مل کر بھی انسانی نجات وسلامتی کے لیے ''صراطِ مستقیم'' کی صحیح نشان دہی نہ کرسکے...... اور آسان اتنا ہے کہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، چلنے والوں کا نقش پا دیکھ لیجیے۔

قرآن نے ''صراطِ مستقیم'' کی تعبیر جن الفاظ میں کی ہے، اسے سمجھنے کے لیے پہلے ایک تمہید سمجھیے۔ راہ گیر کو سیدھے راستے کی تلاش صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ بے خوف وخطر منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ بہ عنوانِ دیگر جو راستہ بے خوف وخطر منزلِ مقصود تک پہنچادیتا ہے، وہی ''صراطِ مستقیم'' ہے، وہی سیدھا راستہ ہے۔ سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچادینے والے راستے کا علم صرف انھی لوگوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے، جو منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ جس راہ سے وہ گزرے ہیں، قرآن کی زبان میں وہی ''صراطِ مستقیم'' ہے۔

جیسا کہ قرآن ''صراطِ مستقیم'' کی نشان دہی ان لفظوں میں کرتا ہے:

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔'' ۱

''ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔''

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں، جن پر خدا نے انعام کیا ہے؟ قرآن ہی ان لوگوں کی بھی نشان دہی ان الفاظ میں کرتا ہے:

''الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا۔'' ۲

''جن لوگوں پر خدا نے انعام فرمایا ہے، وہ انبیا، صدیقین اور شہداء و

۱- قرآن کریم، سورت:۱، آیت:۶، ۷

۲- قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۶۹

Marfat.com

صالحین کا گروہ ہے اور وہ لوگ بہترین ساتھی ہیں۔"

بحث کا حاصل یہ نکلا کہ انبیا، صدیقین اور شہداء و صالحین (اولیاء اللہ) ہی کا راستہ "صراطِ مستقیم" ہے۔ صراطِ مستقیم کی یہ نشان دہی اتنی بے غبار، بے لاگ اور واضح ہے کہ یہاں فریب کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ گنجائش وہاں نکلتی ہے، جہاں عقل کی رہ نمائی میں قافلے چلتے ہیں کیوں کہ عقل چراغ بھی دکھاتی ہے اور عقل ہی ہلاک بھی کر ڈالتی ہے۔ صراطِ مستقیم کی شناخت کے لیے قرآن نے ہمیں "عقل" کے حوالے نہیں کیا ہے، بل کہ "نقل" کے حوالے کیا ہے۔ نقل و روایت کے ذریعہ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کا اعتقاد و عمل کیا تھا؟ اس لیے کہنے دیجیے کہ جن راستوں سے وہ گزرے ہیں، عقل غلط اندیش کی ہزار مخالفت کے باوجود وہی سیدھا راستہ ہے، وہی صراطِ مستقیم ہے۔ عقل کا شیطان جب کسی کو صراطِ مستقیم سے پھیرنا چاہتا ہے تو پہلے وہ خدا سے نہیں پھیرتا، خدا کے مقرر کردہ فرائض و عبادات سے نہیں پھیرتا، وہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں سے پھیر دیتا ہے، جن کے نقوشِ قدم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ بھی دشمنی کے جذبے میں نہیں، بل کہ غیر محسوس طور پر یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ بندہ ہونے میں تم اور وہ دونوں برابر ہو، لہٰذا بندہ ہوکر بندوں کے پیچھے چلنا عقیدۂ توحید کی غیرت کے خلاف ہے۔ تمھاری رہ نمائی کے لیے قرآن جیسی خدا کی عظیم کتاب موجود ہے، اس کی پیروی کرو۔

اس طرح ایک نبی سے برگشتہ کرنے کے لیے وہ خدا کی عظمتِ توحید کو درمیان میں لاتا ہے اور جب اولیاء و صالحین سے دلوں کا رُخ پھیرنا چاہتا ہے، تو نبی کا منصب سامنے کر دیتا ہے اور نہایت چپکے سے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اولیاء و صالحین کون ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کو ہم دلیلِ راہ بنائیں۔ وہ کوئی نبی تھے کہ ان کی پیروی ہمارے لیے لازم ہو، وہ کوئی پیغمبر تھے کہ ان کے اقوال ہمارے لیے حجت ہوں؟

اور سود و زیاں، نیک و بد اور صحیح و غلط سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث کی تعلیمات

Marfat.com

ہمارے لیے بہت کافی ہیں۔ دین پر چلنے کے لیے اور دین کی برکتوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے نہ ہمیں کسی امامِ صالح کی ضرورت ہے، نہ کسی ولیِ برحق کی اِحتیاج۔ علم وعقل کا چراغ جو ہمارے پاس موجود ہے، اس رہ نما کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی رہ نما کی حاجت ہی نہیں ہے۔

شیطان کی اس خاموش تلقین کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ جماعتوں سے ایک ایک کر کے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ قرآن جس کے پیچھے چلنے کی ہدایت کرتا ہے، اب اس کے دوش بہ دوش چلتے ہوئے بھی عار معلوم ہونے لگتا ہے۔

جو لوگ ان برگزیدہ حضرات کے نقوشِ زندگی کی پیروی سے یہ کہہ کر منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ پچھلے بزرگوں کی رسموں کی اندھی تقلید ہے، وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ جسے وہ بزرگوں کی رسم کہہ رہے ہیں، وہی تو قرآن کی زبان میں ''صراطِ مستقیم'' ہے۔ اگر صراطِ مستقیم کی نشان دہی میں اولیاء وصالحین کا درمیان میں لانا کسی گم راہی کا پیش خیمہ ہوتا، تو قرآن ان بزرگوں کے نقوشِ زندگی کو ہمارے لیے نشانِ راہ کیوں قرار دیتا؟ اس لیے قرآن کی تصریحات کے بہ موجب یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ان بزرگوں سے مربوط ہوئے بغیر صراطِ مستقیم پر چلنے کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اس لیے سن لیا جائے کہ صراطِ مستقیم پر وہی لوگ گام زن ہیں اور رہیں گے، جو ان بزرگوں سے روحانی اور ذہنی طور پر مربوط ہیں۔

قرآن نے صراطِ مستقیم کا جو پتہ بتا دیا ہے، اس کی موجودگی میں اب ہمیں کسی دوسرے پتے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے جہاں ہمیں پہنچنا ہے، صرف وہیں کا بتایا ہوا پتہ قابلِ اِعتماد ہو سکتا ہے۔

صراطِ مستقیم:

پچھلے مباحث میں صراطِ مستقیم کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ خدا

Marfat.com

کے نزدیک وہی سلامتی اور نجات کا راستہ ہے، جو خدا کے مقرب بندوں اور امت کے صالحین کی طرف منسوب ہے۔

صراطِ مستقیم کی تفسیر میں قرآن نے جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے، وہ ان لوگوں کے خیالِ فاسد کی ایک کھلی ہوئی تردید ہے، جو بزرگوں کی روایات اور معمولات کو رسم کہن کہہ کر مطعون کرتے ہیں، حالاں کہ قرآن کی زبان میں بزرگوں کی رسم ہی صراطِ مستقیم کی صحیح تفسیر ہے۔ ''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا'' کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی واضح اور آسان شناخت بتانے کے بعد اب قرآن بعد والی آیت کے ذریعہ غلط راستوں کی نشان دہی فرماتا ہے، تاکہ وہ حق و باطل کی آمیزش سے بالکل الگ اور ممتاز ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔'' ۱

''ان لوگوں کا راستہ نہیں، جن پر غضب نازل کیا گیا اور جو راہِ حق سے بھٹک کر گم راہ ہو گئے۔''

یہیں سے یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو گئی کہ جو لوگ حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان مفاہمت کا راستہ تلاش کرتے ہیں، ان کی یہ کوشش قرآن کے مزاج کے قطعاً خلاف ہے۔

مذہبی دنیا میں راستے دو ہی ہو سکتے ہیں؛ صحیح و غلط اور حق و باطل۔ ایسا کوئی درمیانی راستہ نہیں نکل سکتا، جو بہ یک وقت حق و باطل دونوں ہو، یعنی وہ حق کے ساتھ بھی منسلک ہو اور باطل سے بھی رشتہ رکھتا ہو۔

نعمتِ الٰہی سے سرفراز ہونے والوں کا راستہ جب صراطِ مستقیم ٹھہرا دیا گیا ہے، تو لازمی طور پر ان لوگوں کا راستہ صراطِ مستقیم نہیں ہو سکتا، جو غضبِ الٰہی کے نشانے پر ہیں اور جو راہِ حق سے بھٹک کر گم راہ ہو گئے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۱، آیت: ۷

Marfat.com

اِختلافِ عقائد کی بنیاد پر مسلمانوں کے مذہبی نزاعات کے درمیان آج بہت سے لوگ یہ کہہ کر مصالحت کی راہ پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہر فریق حق پر ہے، کسی کو باطل نہیں کہنا چاہیے۔ قرآن کے نزدیک یہ مصالحت نہیں بل کہ فکر و خیال کا تضاد ہے۔ مصالحت کا یہ انداز حزبِ اِختلاف کو کم کرنے کے بہ جائے مسلمانوں میں ایک نئے فرقے کا اضافہ کرتا ہے۔

فکر و اِعتقاد کے کسی ایک رُخ کو صحیح مان لینے کے بعد اس کی ضد اور مقابل کو بھی حق تسلیم کرنا ذہن و فکر کی گم راہی اور عقل و خرد کی کھلی ہوئی بد دیانتی ہے۔

اسی طرح فکر و اعتقاد کے کسی ایک رُخ کو باطل قرار دے دینے کے بعد اب اس کی جانب مقابل کو بھی بالکل باطل سمجھنا کھلا ہوا مذاق ہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک فریق کا یہ عقیدہ صحیح اور حق تسلیم کر لیا جائے کہ خدائے برتر جھوٹ اور تمام نقائص کے امکان سے پاک و بے عیب ہے۔ زمان و مکان اور جسم سے منزہ ہے۔ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بہ عطائے اِلٰہی، علم غیب، قدرت و اِختیار، حیات و نورانیت اور شفاعت و فریاد رسی کے اوصاف و کمالات سے مزین ہیں۔ میلاد و قیام، عرس و فاتحہ اور محبوبانِ الٰہی کے مزارات و آثار کی توقیر و تعظیم دین کے مستحبات سے ہے، تو لازماً عقل و دیانت کا تقاضہ ہوگا کہ جو لوگ اس کے سمت مخالف میں کئی مسلک رکھتے ہیں، اسے غلط سمجھا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ دونوں فریق برسرِ حق قرار دیے جائیں۔ پھر جس طرح ہر دو فریق کو برسرِ حق سمجھنا غلط ہوگا، اسی طرح سوچنے کا یہ انداز بھی صحیح نہیں ہوگا کہ ہر دو فریق میں سے کوئی بھی حق پر نہیں ہے۔

یہ اس وجہ سے کہ جس طرح حق کا مد مقابل حق نہیں ہوتا، بل کہ باطل ہوتا ہے، اسی طرح باطل کا مقابل بھی باطل نہیں ہوتا، بل کہ حق ہی ہوتا ہے۔ اس لیے لازماً دونوں فریق میں سے ایک ہی کو برسرِ حق اور دوسرے کو برسرِ باطل تسلیم کرنا ہوگا۔

قرآن کہتا ہے کہ نجات و سلامتی اور ہدایت و حق کا راستہ ایک ہی ہوگا، دو نہیں

Marfat.com

ہوسکتا۔ منزلِ مقصود سے بھٹکانے والے راستے متعدد ہو سکتے ہیں، لیکن منزل تک لے جانے والے راستے کا رخ ہرگز متعدد نہیں ہوسکتا۔

پھر قرآن نے جس طرح صراطِ مستقیم کی نشان دہی صالحین واہل حق کی نسبت سے کی ہے، اسی طرح اس راستے کا صاف انکار بھی کر دیا ہے، جو اہل باطل اور اصحابِ ضلال کی طرف منسوب ہے۔

یہ اندازِ بیان اختیار کر کے قرآن نے ہمیں یہ ذہن دیا ہے کہ راہِ حق اور راہِ باطل کے درمیان امتیاز ان افراد اور ان مومنوں ہی کے ذریعہ ہوتا ہے، جن کی طرف راستے منسوب ہوتے ہیں۔ چلنے والوں کو الگ رکھ کر صرف راستوں سے ہی ''صحیح وغلط'' کا فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔

آج عام طور پر یہ ذہن بنتا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے اگر باطل فرقوں پر تنقید بھی کی جائے تو صرف مسلک کی تردید کافی ہے، جماعت اور افراد کی نشان دہی کھل کر ہرگز نہ کی جائے۔

قرآنِ مقدس کے اعتبار سے حق و باطل کے درمیان واضح اِمتیاز قائم کرنے کے لیے یہ اندازِ بیان کافی نہیں ہے، اس لیے کہ جب تک کہ گروہوں کا ذکر نہیں کیا جائے گا، مسلکوں کی وضاحت نہیں ہوسکتی۔ اگر صراطِ مستقیم کی شناخت کے لیے صالح و برگزیدہ گروہ کا درمیان میں لانا ضروری ہے، تو راہِ ضلالت کی پہچان کرانے کے لیے گم راہ جماعتوں کا ذکر کیوں نہیں ضروری ہوگا؟

جو لوگ اس طرح کے اندازِ بیان کو تشدد اور دشنام طرازی سے تعبیر کرتے ہیں، وہ ٹھنڈے دل سے قرآن کی ان آیتوں پر غور فرمائیں۔ کیا اسلامی دنیا میں قرآن سے زیادہ کسی مہذب اور شائستہ کلام کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

محسوسات کی دنیا میں مضرت رساں اشیا کی نشان دہی اگر عیب اور ذم کی بات نہیں ہے، تو روحانی دنیا میں ایمان کے غارت گروں کی نقاب کشائی کیوں قابلِ

Marfat.com

مذمت قرار دی جائے؟

حاصل کلام یہ کہ ''ان لوگوں کی راہ پر نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ ان لوگوں کی راہ پر جو جادۂ حق سے بھٹک کر گم راہ ہو گئے'' سے ان ناکام و نامراد زندگیوں کی طرف اشارہ ہے، جو دنیا میں بھی رائیگاں ہوئیں اور آخرت میں بھی برباد ہوں گی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رضائے الٰہی کے مقابلے میں سرکشی سے کام لیا جیسے یہود اور قانونِ خداوندی کی حدود کو توڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کی جیسے نصاریٰ۔ ان کے لیے کہیں بھی امان نہیں ہے۔ ان کے دونوں عالم قہر الٰہی کے نشانے پر ہیں۔

خدا کا یہی وہ قانونِ سزا ہے، جس کی ہیبت سے بندۂ مومن کا دل ہر وقت کانپتا رہتا ہے۔

گہرائی میں اُتر کر سوچیے تو سورۂ فاتحہ کا یہ اجمال دونوں جہاں کی تفصیلات پر حاوی ہے۔

Marfat.com

فقہی مسائل

سورۂ فاتحہ سے متعلق تین فقہی مسائل ہیں، جن میں غیر مقلدین، وہابیہ اور احناف اہل سنت کا شدید اختلاف ہے۔ ۱

پہلا مسئلہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔ اس لیے سورۂ فاتحہ کی دوسری آیتوں کی طرح وہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا کوئی جزء نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارے یہاں نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا

۱- میرے خیال میں یہاں ''غیر مقلدین اور وہابیہ'' کے الفاظ سے غیر احناف مراد لیا جانا زیادہ بہتر ہے، تاکہ زیر بحث موضوعات کے حوالے سے دوسرے مذاہبِ فقہیہ کی آرا شامل کیے جانے پر کسی طرح کے تناقضات لازم نہ آئیں، خصوصیت کے ساتھ بسم اللہ کے جہر سے پڑھنے کی رائے شوافع کی ہے۔ امام نووی شافعی لکھتے ہیں:

''و مذهب الشافعي و طوائف من السلف و الخلف ان البسملة آية من الفاتحة و انه يجهر بها حيث يجهر بالفاتحه....''

(دیکھیے؛ شرح مسلم: امام نووی، ج:۴، ص:۹۳)

Marfat.com

نمازی کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لیے جائز نہیں ہے، کیوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

تیسرا مسئلہ: آمین کے حوالے سے ہے۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ آمین آہستہ آہستہ کہنا طریقۂ مسنونہ ہے۔

ان تینوں اِختلافی مسائل میں ہر دو فریق کے دلائل مفصل طور پر ذیل کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں!

پہلے مسئلے کے حوالے سے

بسم اللہ کے تعلق سے احناف کا کہنا ہے کہ یہ قرآن کی آیت ضرور ہے، لیکن کسی متعین سورت کا جز نہیں ہے اور سورۂ فاتحہ کا بھی جز نہیں ہے۔ البتہ جن سورتوں کے شروع میں وہ لکھی گئی ہے، اس سے مقصود صرف سورتوں کے درمیان فصل قائم کرنا ہے۔

اور چوں کہ وہ سورۂ فاتحہ یا کسی بھی متعین سورت کا جز نہیں ہے، اس لیے نماز کی حالت میں اسے بلند آواز سے پڑھنا خلافِ شرع ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے تسبیح، ثنا اور التحیات وغیرہ کا بہ آوازِ بلند پڑھنا درست نہیں ہے۔

غیر مقلدین وہابیہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ اور دیگر سورتوں کا جز ہے، اس لیے وہ بھی ان سورتوں کی دیگر آیات کی طرح ایک آیت ہے۔ اور جب ساری آیتیں حالتِ نماز میں بہ آوازِ بلند پڑھی جاتی ہیں، تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی بہ آوازِ بلند ہی پڑھی جائے گی۔

اب ذیل میں فریقین کے دلائل سنیے!

Marfat.com

احناف اہل سنت کے دلائل:

پہلی حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

''قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منھم یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔'' ۱

''انھوں نے کہا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ہیں، ان میں سے کسی کو بھی بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہ سنا۔''

دوسری حدیث: طبرانی نے معجم کبیر میں ابونعیم نے حلیہ میں اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

''قال :ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر کانوا یسّرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔'' ۲

''انھوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔''

تیسری حدیث: امام عبدالرزاق نے حضرت ابو فاختہ سے اپنے مصنف میں روایت کی ہے کہ

''قال ان علیا کان لا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و کان یجھر بالحمد للہ رب العلمین۔'' ۳

۱۔ نسائی، ج:۱،ص:۳۱۵

۲۔ صحیح ابن خزیمہ، ج:۱،ص:۲۵۰

۳۔ مصنف عبدالرزاق، ج:۲،ص:۸۸

Marfat.com

"انھوں نے بیان کیا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے، الحمد للہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔"

یہ تینوں حدیثیں اس امر کے ثبوت میں بالکل صریح اور واضح ہیں کہ نماز کی حالت میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت رہی ہے۔

چوتھی حدیث: امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"و عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ ربّ العٰلمین۔" [1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما الحمد للہ ربّ العٰلمین سے نماز کی قراءت شروع کرتے تھے۔"

پانچ ویں حدیث: امام ابو داؤد، دارمی اور امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بکر و عمر و عثمان کانوا یستفتحون القراءۃ بالحمد للہ ربّ العٰلمین۔" [2]

"انھوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ ربّ العٰلمین سے قراءت شروع فرماتے تھے۔"

چھٹی حدیث: امام مسلم رضی اللہ عنہ اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بکر و عمر و عثمان کانوا

۱- بخاری، ج:۱،ص:۲۵۸

۲- مسند احمد، ج:۴،ص:۱۸۱

Marfat.com

یستفتحون القراء ة بالحمد للّٰہ، لا یذکرون بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی اول القراء ة و لا فی آخرھا۔'' ۱

''انھوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین سے قراءت شروع فرماتے تھے، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نہ قراءت کے شروع میں پڑھتے تھے اور نہ آخر میں۔''

ساتویں حدیث: حضرت امام ابوداؤد اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

''قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح الصلوٰة بالتکبیر و القراء ة بالحمد للّٰہ ربّ العلمین۔'' ۲

''فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع کرتے تھے اور قراءت الحمد للّٰہ ربّ العلمین سے۔''

یہ چاروں حدیثیں نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کی آیت اور اس کا جز نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ اگر ان حضرات کے نزدیک بسم اللہ بھی سورۂ فاتحہ کی آیتوں کی طرح کوئی آیت ہوتی، تو یقیناً وہ نماز کی حالت میں بھی سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا آغاز الحمد اللہ سے نہیں فرماتے، بل کہ بسم اللہ سے فرماتے۔

آٹھویں حدیث: حضرت ابن ابی شیبہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کرتے ہیں:

''عن ابن مسعود کان یخفی بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، و

۱۔ مسلم، ج:۴، ص:۹۳

۲۔ ابوداؤد، ج:۲، ص:۴۸۹

Marfat.com

الاستعاذة، و ربنا لك الحمد۔'' ۱

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اعوذ باللہ اور ربنا لك الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔''

نویں حدیث: حضرت امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے:

''قال اربع یخفیھن الامام، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، و سبحانك اللھم، و التعوذ، و آمین۔'' ۲

''انھوں نے فرمایا کہ نماز میں چار چیزیں ایسی ہیں جنھیں امام کو آہستہ پڑھنا چاہیے، ایک بسم اللہ، دوسرے ثنا، تیسرے اعوذ باللہ، چوتھے آمین۔'' ۳

ان حدیثوں سے بھی یہ بات بہ خوبی ثابت ہوئی کہ نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ لہٰذا احناف اہل سنت کا مسلک احادیث کے قطعاً مطابق ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل:

اب غیر مقلدین وہابیہ کے وہ دلائل ملاحظہ فرمائیے، جو اس دعوے کے ثبوت میں وہ پیش کرتے ہیں کہ نماز میں بسم اللہ کا بہ آوازِ بلند پڑھنا مسنون ہے۔ بعد میں ان کے دلائل کے جوابات بھی ذکر کیے جائیں گے۔

۱- مصنف ابن شیبہ، ج:۱، ص:۴۴۸

۲- عمدۃ القاری، ج:۶، ص:۴۷

۳- مصنف ابن شیبہ میں ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت امام نخعی نے فرمایا کہ امام پانچ چیزیں آہستہ کہے گا، استعاذہ، ثنا، بسم اللہ، آمین اور ربنا لك الحمد۔

''خمس یخفیھن الامام؛ الاستعاذہ، و سبحانك اللھم و بحمدك، و بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، آمین، و اللھم ربنا و لك الحمد۔''

(مصنف ابن شیبہ، ج:۲، ص:۴۱۶)

Marfat.com

پہلی حدیث: امام طحاوی اپنی کتاب میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی بیتها، فیقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم 'الحمد للّٰہ رب العلمین۔" ۱

"فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے، تو سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتے تھے۔"

دوسری حدیث: امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

"قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح صلوٰۃ ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔" ۲

"انھوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔"

تیسری حدیث: امام طحاوی نے اپنی کتاب میں حضرت عبدالرحمٰن بن ربزیٰ سے روایت کی ہے:

"صلیت خلف عمر فجهر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، و کان یجهر ابی ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔" ۳

۱- طحاوی شریف، ج:۱،ص:۱۴۷

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح ہے:

"کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و الحمد للّٰہ رب العلمین، یعنی حرفا حرفا" (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲،ص:۴۰۲)

۲- ترمذی، ج:۲،ص:۵۲

۳- طحاوی، ج:۱،ص:۱۴۷

Marfat.com

''انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، تو انھیں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بہ آوازِ بلند پڑھتے ہوئے سنا۔ میرے والد بھی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔''

پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سورۂ فاتحہ کا آغاز بسم اللہ سے فرماتے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور اسے بھی سورۂ فاتحہ کی دیگر آیتوں کی طرح بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

دوسری حدیث بھی اِسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری حدیث تو بالکل واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی بسم اللہ کو دیگر آیتوں کی طرح سورۂ فاتحہ کا جز سمجھتے تھے۔ غرض یہ کہ تینوں حدیثیں اس امر پر بہ خوبی دلالت کرتی ہیں کہ بسم اللہ کو بھی سورۂ فاتحہ کی دیگر آیتوں کی طرح بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

یہ ہے غیر مقلدین کا وہ اِستدلال، جو بسم اللہ کو بہ آوازِ بلند پڑھنے پر وہ پیش کرتے ہیں۔ اب احناف کی طرف سے ان کے جوابات ملاحظہ فرمایئے!

جوابات:

۱- پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا چاہیے، لیکن بلند آواز سے نہیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس نماز کا ذکر فرمایا ہے، ان کے بیان کے مطابق وہ نماز حضور ان کے گھر میں پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ فرض نماز نہیں ہوتی تھی، بل کہ نفل ہوتی تھی، کیوں کہ فرض نماز ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ادا فرماتے تھے۔

Marfat.com

اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ نفل نمازوں میں قرآن آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ لہٰذا جب سورۂ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور ﷺ کی قراءت آہستہ ہوتی تھی، لیکن اتنی واضح ہوتی تھی کہ قریب کا آدمی سن سکتا تھا اور آہستہ پڑھنے کا یہی معیار شریعتِ اِسلامیہ کی جانب سے متعین ہے۔

۲- دوسری حدیث کے تین جوابات دیے گئے ہیں:

پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضور ﷺ اپنی نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ اس امر کی صراحت نہیں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ کہہ لیتے ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سورۂ فاتحہ کے شروع ہی میں پڑھتے تھے، تو اس حدیث میں اس کا ذکر ہے ہی نہیں کہ حضور بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ بسم اللہ پڑھنے کے قائل تو ہم بھی ہیں، تاہم جہر کے ساتھ نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے اعتماد کے قابل نہیں ہے، جیسا کہ خود امام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب میں لکھا ہے:

”هذا الحديث ليس اسناده بذاك۔“ [۱]

”یعنی اس حدیث کی سند اعتماد کے قابل نہیں ہے۔“

۳- تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث چوں کہ احادیث مشہورہ کے خلاف ہے، اس لیے شاذ ہے اور شاذ احادیث سے اِستدلال صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے حوالے سے کئی روایات گزر چکی ہیں، جو دنیائے احادیث کی کئی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث

۱- ترمذی، ج:۲، ص:۵۲

Marfat.com

ناقابلِ اِعتماد ہے۔ ا

دوسرے مسئلے کے حوالے سے ۲

احناف نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے وجوب کے قائل ہیں، تاہم ان کے نزدیک امام کے پیچھے نماز ادا کرنے والے مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی تلاوت جائز

ا- بسم اللہ کے سورۂ فاتحہ کے جز نہ ہونے پر ایک واضح روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان سورۂ فاتحہ کے دو حصے کر دیے گئے ہیں اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اس کو ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے "الحمد لله رب العٰلمين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی، جب وہ کہتا ہے "الرحمٰن الرحيم" تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف کی۔ جب وہ کہتا ہے "مالك يوم الدين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعظیم کی اور ایک بار فرمایا کہ بندہ نے اپنے آپ کو مجھے سونپ دیا۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ "اياك نعبد و اياك نستعين" تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اس کو ملے گا۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ "اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين انعمت عليهم، غير المغضوب عليهم و لا الضآلين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اس کو ملے گا۔

(دیکھیے: مسلم، ج:۴، ص:۸۵)

یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی تقسیم کے حوالے سے گفت گو فرمائی، تو تقسیم کا آغاز بسم الله الرحمٰن الرحيم سے نہ کیا۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہوتا، تو زیر بحث تقسیم میں چھوڑ نہ دیا جاتا۔

۲- والد گرامی علیہ الرحمۃ نے "فقہی مسائل" کے عنوان کے تحت تین مسائل کا تذکرہ کیا تھا، تاہم پہلے مسئلے پر سیر حاصل گفت گو کرنے کے بعد انھوں نے دوسرے اور تیسرے مسائل کے لیے عناوین قائم کیے، لیکن مصروفیات کے باعث پورا نہ کر سکے۔ آپ کی روحانی خواہش کی تکمیل میں چند سطریں قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں۔

Marfat.com

نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کے دوران مقتدی کو اس وقت بھی خاموش رہنا چاہیے جب کہ امام جہر کے ساتھ تلاوت کر رہا ہو اور اس وقت بھی جب وہ آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔

غیر مقلدین کی رائے یہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق چوں کہ بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے نماز مکمل نہیں ہوتی ہے، اس لیے امام اور مقتدی دونوں پر لازم ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کریں۔

اب ذیل میں دونوں فریق کے دلائل و براہین ضرور وضاحت کے ساتھ سماعت فرمائیں!

احناف اہل سنت کے دلائل:

پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"....فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی خلف الامام فان قراءته له قراءة۔" ۱

"......سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت ہی اس شخص کی قراءت ہے۔"

دوسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"....فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبّر فکبّروا و اذا قرأ فانصتوا۔" ۲

"سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اِطاعت و پیروی کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ

۱- سنن دار قطنی، ج:۱، ص:۳۲۱

۲- نسائی صغریٰ، ج:۲، ص:۴۷۹

Marfat.com

قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔"

تیسری حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"من صلی رکعة لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون و رآء الامام، ھذا حدیث حسن صحیح۔" ۱

"جو نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے تو اس نے نماز ہی ادا نہ کی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔"

چوتھی حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ثم اقبل بوجھه، فقال: اتقرء ون و الامام یقرأ، فسکتوا، فسألھم ثلثا، فقالوا: انا لنفعل، قال: فلا تفعلوا۔" ۲

"ایک بار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر صحابہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم امام کی قراءت کے دوران بھی تلاوت کرتے ہو؟ صحابہ خاموش رہے۔ آپ نے تین بار یہ سوال دہرایا تو صحابہ نے عرض کیا: ہاں، فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا۔"

پانچ ویں حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: اقرأ خلف الامام او انصت؟ قال: بل انصت، فانه یکفیك۔" ۳

"ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں؟ فرمایا: خاموش رہو، کیوں کہ امام تیرے

۱- ترمذی، ج:۲، ص:۲۲۳

۲- طحاوی، ج:، ص:

۳- کنز العمال، ج:۸، ص:۱۶۲۸

Marfat.com

لیے کافی ہے۔"

چھٹی حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انما یقرأ خلف الامام من لیس علی فطرة۔" ۱

"جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں ہے۔"

ساتویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل صلوٰة لا یقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج الا صلوٰة خلف الامام۔" ۲

"جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی وہ نامکمل ہے، اِلا یہ کہ وہ نماز امام کے پیچھے ہو۔"

آٹھویں حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه حجر۔" ۳

"میری خواہش ہے کہ اُس کے منہ میں پتھر ہو، جو اِمام کے پیچھے تلاوت کرے۔"

نویں حدیث: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا اقرأ مع الامام فی شیء۔" ۴

"مَیں امام کے پیچھے تلاوت نہیں کرتا۔"

دسویں حدیث: حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر و عثمان کانوا

۱- دار قطنی، ج:۱، ص:۳۲۶

۲- القراءة خلف الامام، باب: و احتج من قال بترك القراءة

۳- مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۲۷

۴- سنن بیہقی، ج:۲، ص:۵۳۶

Marfat.com

ینھون عن القراءۃ خلف الامام۔'' ۱

''رسول اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین امام کے پیچھے تلاوت کرنے سے منع کرتے تھے۔''

گیارھویں حدیث: حضرت انس بن سیرین رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

''قلت لعبد اللّٰہ بن عمر: اقرأ خلف الامام؟ قال: تجزئك قراءۃ الامام........'' ۲

''مَیں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں؟ آپ نے جواب دیا کہ امام کی تلاوت تمھارے لیے کافی ہے.....''

بارھویں حدیث: حضرت نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''قال ابن عمر : اذا صلی احدکم خلف الامام، فحسبه قراءۃ الامام، و اذا صلی وحده فلیقرأ، قال: و کان ابن عمر رضی اللّٰہ عنه لا یقرأ خلف الامام۔'' ۳

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز ادا کرے، تو اس کے لیے امام کی قراءت کافی ہے، اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو چاہیے کہ وہ قراءت کرے، حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے تلاوتِ قرآن نہیں کرتے تھے۔''

وضاحت:

مذکورہ بالا احادیث سے یہ امر آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے لیے سورۂ فاتحہ کی تلاوت سخت منع ہے اور یہ بھی واضح

۱- مصنف عبدالرزاق، ج:۲،ص:۱۲۷

۲- مسند احمد، ج:۲،ص:۱۴۵

۳- مؤطا امام مالک، ج:۱،ص:۱۷۸

Marfat.com

ہوجاتا ہے کہ یہ رائے صرف چند افراد کی نہیں ہے، بل کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور وقت کے اجلہ فقہا کی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ ۱

اور اس پر مستزاد یہ کہ قرآنِ کریم کی آیت کریمہ بھی اس رائے کی تائید و توثیق کر رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

”وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔“ ۲

”اور جب قرآنِ عظیم کی تلاوت کی جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

دیکھ رہے ہیں آپ! کس قدر وضاحت کے ساتھ اللہ ربّ العزت حکم دے رہا ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اسے سنو بھی اور پوری طرح خاموش بھی رہو۔ یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ زیر بحث آیت کی شانِ نزول کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ دورانِ نماز باتیں کیا کرتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں خاموش رہنے کی ہدایت دی گئی۔ ۳

اب یہ بات ہر طرح کے شک و شبہہ سے بالاتر ہو کر کہی جا سکتی ہے کہ امام کے پیچھے تلاوت قرآن کے حوالے سے احناف کی رائے قرآن کریم کے مفہوم سے بھی ثابت ہے اور احادیث کریمہ کے مدلولات سے بھی۔

ایک ایمان افروز نکتہ:

زیر بحث موضوع کے حوالے سے ایک نکتہ پردۂ ذہن پر انگڑائی لے رہا ہے اور وہ

۱- ہدایہ، ج:۱، ص:۳۳۱

۲- قرآن کریم، سورت:۷، آیت:۲۰۴

۳- دیکھیے، تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۴۸۴

Marfat.com

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو احکامات دیے ہیں؛ سنو اور خاموش رہو۔ یہاں یہ بات پیشِ نگاہ رہے کہ سننا بغیر خموشی کے ممکن نہیں، اس لیے کہ جب دوسروں کی آوازیں بلند ہو رہی ہوں، تو بھی ایک اِنسان کے لیے سننا مشکل ہے اور انسان خود اپنی آواز بلند کرے جب بھی۔ ان لیے کہنے دیا جائے کہ یہ احکامات اِشارہ کرر ہے ہیں کہ جب تلاوتِ قرآنِ کریم کی رس گھولتی ہوئی آواز کانوں میں پڑے تو اسے سنو اور جب حکم تلاوت قرآن ہورہا ہو تو خاموش رہو۔ اس طرح احناف کی رائے سب سے زیادہ صائب قرار دی جائے گی کہ ان کے نزدیک جب امام جہری قراءت کرے جب بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت نہیں اور جب امام سری قراءت کرے جب بھی۔

فریق مخالف کے دلائل:

اب ہم اِختصار کے ساتھ فریق مخالف کے دلائل ذکر کریں گے اور پھر دونوں طرح کے دلائل و براہین کے درمیان غیر جانب دارانہ موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ کس کی رائے زیادہ صائب ہے۔

پہلی حدیث: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔'' ۱

''سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

دوسری حدیث: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فلا تقرؤوا خلفی بشیء من القرآن اذا جہرتُ الا بام القرآن۔'' ۲

۱- بخاری، ج:۱،ص:۲۶۲

۲- مسند الشامیین، ج:۱،ص:۱۷۴

Marfat.com

''بے شک نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میرے پیچھے نماز ادا کرو تو سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔''

تیسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''من صلی صلاۃ فلم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج۔'' ۱

''جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی وہ ناقص ہے۔''

چوتھی حدیث: حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''للامام سکتتان فاغتنموا القراءۃ فیھما بفاتحۃ الکتاب۔'' ۲

''امام کے لیے دو وقفے ہوتے ہیں، لہٰذا تم ان میں سورۂ فاتحہ پڑھ لو!''

پانچ ویں حدیث: حضرت محمد بن ابی عائشہ نے ایک صحابی سے روایت کی:

''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لعلکم تقرؤون و الامام یقرأ؟ مرتین او ثلاثا، قالوا: یارسول اللہ انا لنفعل، قال: فلا تفعلوا، الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب۔'' ۳

''سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ امام کی قراءت کے دوران تلاوت کر رہے تھے؟ یہ بات آپ نے دو یا تین بار کہی، لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے کی ہے، آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا، سوائے اس کے کہ تم میں سے کوئی سورۂ فاتحہ پڑھے۔''

جوابات:

۱- پہلی حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور یہ بات ہم بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے

۱- مسلم، ج:۴، ص:۸۵

۲- قراءۃ خلف الامام للبخاری، ص:۳۳

۳- مسند احمد، ج:۵، ص:۲۸۱

Marfat.com

کہ امام کے پیچھے بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

۲- دوسری حدیث ائمہ احادیث کے نزدیک معلل ہے۔ اسے امام احمد اور دیگر علمائے کرام نے ضعیف قرار دیا ہے، جب کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ پہلی حدیث کی صحت پر کلام نہیں ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ ایک بار آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور یہ جملہ کہا، جسے بعض اہل شام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قرار دے دیے، جب کہ یہ اضافہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا۔

۳- تیسری حدیث کو بھی پہلی حدیث کے مفہوم کے مطابق سمجھ لیا جائے کہ اس سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے، نہ یہ کہ امام کے پیچھے بھی اسے پڑھا جائے۔

۴- چوتھی حدیث کے حوالے سے مندرجہ ذیل جوابات پیش خدمت ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ یہ حدیث یوں پیش کی جاتی ہے کہ جیسے حدیث مرفوع ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دی جا رہی ہے، جب کہ یہ حدیث مقطوع ہے۔ اور اگر اسے مرفوع کا درجہ بھی دے دیا جائے، تو بہ ہر کیف یہ ضعیف ہوگی، کیوں کہ یہ مرسل تابعی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اِضطراب ہے۔ کسی روایت میں ہے کہ مطلق امام کے لیے دو سکتے ہوتے ہیں، کسی میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ نماز دو سکتے کیا کرتے تھے اور کہیں ہے کہ سکتے کرتے تھے۔ یہاں یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد توقف فرماتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تلاوتِ قرآن کے بعد۔ مؤخر الذکر دونوں روایات یوں ہیں:

"کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث سکتات، اذا افتتح التکبیر حتی یقرأ الحمد، و اذا فرغ من الحمد حتی یقرأ السورة،

Marfat.com

و اذا فرغ من السورة حتی یرکع۔" ١

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین وقفے کیا کرتے تھے، تکبیر کہنے کے بعد سے سورۂ فاتحہ کی اِبتدا تک، سورۂ فاتحہ کے اختتام سے دوسری سورت کی اِبتدا تک، اور سورت کے اختتام سے لے کر رکوع تک۔"

"کان للنبی سکتتان، سکتة حین یکبر و سکتة حین یفرغ من قرأته....." ٢

"سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دو وقفے کیا کرتے تھے، ایک وقفہ تکبیر کے وقت، دوسرا وقفہ جب تلاوت قرآن ختم کرتے......"

تیسری بات یہ کہ وقفے کے دوران اگر کوئی سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہے تو اسے پہلے وقفہ میں پڑھے یا دوسرے وقفہ میں۔ اگر بعد والے وقفہ میں پڑھے تو ممکن ہے کہ امام کے رکوع سے پہلے اسے مکمل نہ کر سکے۔ اس طرح سورۂ فاتحہ کے پورے نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ٹھہرایا جائے گا۔ پھر اگر پہلے وقفہ کے بعد پڑھے تو نماز کے ارکان کی ادائیگی میں امام پر سبقت لے جانے کا خطرہ ہے، جس کے بارے میں شدید ترین وعید آئی ہے۔ آپ بھی سن لیں!

"اما یخاف الذی یرفع رأسه و الامام ساجد ان یحول اللّٰه رأسه رأس حمار۔" ٣

"جو اِمام کے سجدے سے سر اُٹھانے سے پہلے ہی اپنا سر اُٹھالے، وہ اِس بات سے خائف نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس کا سر گدھے کے سر میں تبدیل کر دے۔"

مزید وضاحت کے لیے اسے پڑھیے!

١۔ مصنف ابن شیبہ، ج:١، ص:٣٠٨

٢۔ القراءة خلف الامام للبخاری، ص:٣٥

٣۔ مسند احمد، ج:٢، ص:٥١٢

Marfat.com

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تبادروا الامام....." ۱

"سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام پر سبقت نہ کرو..."

۵- پانچ ویں حدیث کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ حکم ابتدائی طور پر تھا، بعد میں امام کی قراءت ہی مقتدی کے لیے کافی قرار دے دی گئی، لہٰذا امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قراءت کرنے کا جواز باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کبار صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے معمولات اسی ہدایت کے آئینہ دار ہو گئے۔

اور یہ توجیہ کوئی خلافِ قیاس بھی نہیں ہے کہ پہلے دورانِ نماز گفت گو کرنے کی اجازت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز کے دوران باتیں کرتے تھے اور سلام کا جواب بھی دیا کرتے تھے۔ ایک دن جب سرکار دو عالم ﷺ نماز ادا کر رہے تھے، تو میں نے عادت کے مطابق انھیں سلام کیا، تاہم انھوں نے جواب نہ دیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"انه لم یمنعنی ان ارد علیك السلام الا ان امرنا ان نقوم قانتین لا نتكلم فی الصلاة و القنوت السكوت۔" ۲

"تمھارے سلام کے جواب سے مجھے صرف اِس بات نے روک رکھا کہ ہمیں ہدایت دی گئی ہے کہ ہم نماز میں گفت گو نہ کریں اور خاموش رہیں، خاموشی ہی قنوت ہے۔"

یہاں لفظ "قنوت" سے سورۂ بقرہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كنا نتكلم فی الصلٰوة، یكلم الرجل صاحبه و هو الی جنبه فی الصلٰوة، حتی نزلت: 'قوموا للّٰه قانتین'، فامرنا بالسكوت

۱- مسلم، ج:۴، ص:۱۱۲

۲- الدر المنثور، ج:۱، ص:۷۰۲

Marfat.com

و نہینا من الکلام۔" ۱

"ہم دورانِ نماز باتیں کر لیتے تھے، ایک شخص اپنے بغل میں نماز پڑھنے والے سے بات کر لیتا تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی 'اللہ کے لیے ادب کے ساتھ خاموش رہو' لہٰذا ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہوا اور ہم بات کرنے سے روک دیے گئے۔"

ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا:

"ان اللّٰہ یحدث فی امرہ مایشاء، فاذا کنتم فی الصلاۃ فاقنتوا و لا تتکلموا۔" ۲

"بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جیسا چاہتا ہے، حکم جاری فرما دیتا ہے، لہٰذا اب تم دورانِ نماز خاموش رہا کرو اور باتیں نہ کیا کرو۔"

دیکھ رہے ہیں آپ! اِبتدا میں جب دورانِ نماز گفت گو کی اجازت تھی، تو امام کی تلاوت کے دوران کسی مقتدی کے تلاوت کرنے میں کیا مضائقہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شروع میں لوگ نماز کے دوران قرآن کی تلاوت بھی کرتے رہے ہیں اور باتیں بھی۔ پھر پہلے مرحلے میں گفت گو سے روک دیے گئے۔ دوسرے مرحلے میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآنِ کریم کے کسی بھی حصے کی تلاوت ممنوع ہوگئی اور تیسرے مرحلے میں امام کی قراءت ہی مقتدی کے لیے کافی قرار دے کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے بھی روک دیا گیا۔

لہٰذا جن احادیث سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے بھی مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا درست ہے، وہ ابتدائی دور کے حالات پر محمول کر لی جائیں، اور جب دورانِ نماز گفت گو سے منع کر دیا گیا، تو پھر بہ تدریج ایک مقتدی کے لیے تلاوتِ قرآن

۱- مسلم، ج:۵، ص:۲۲

۲- الدر المنثور، ج:۱، ص:۷۰۲

Marfat.com

بھی ممنوع قرار پایا۔ اس توجیہ کی تائید کبار صحابہ کے متواتر عمل سے بھی ہوتی ہے۔

خلاصۂ بحث:

پچھلے صفحات میں ہم نے امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے حوالے سے سیر حاصل گفت گو کی ہے۔ زیر بحث آنے والے سارے دلائل و براہین اور علمائے کرام کی آرا سمیٹ لی جائیں، تو انھیں تین ذیلی عناوین کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے؛

پہلا طبقہ: امام کی جہری اور سری دونوں قراءت میں مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ رائے امام شافعی، امام لیث بن سعد، امام اوزاعی اور غیر مقلدین کے شیخ عبد اللہ بن باز وغیرہم کی ہے۔

دوسرا طبقہ: امام کی صرف جہری قراءت کے دوران مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ رائے امام مالک، شیخ سعید بن المسیب، شیخ عبداللہ بن عتبہ، شیخ سالم بن عبد اللہ بن عمر ابن شہاب الزہری، شیخ قتادہ، شیخ عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن القیم اور ناصر الدین البانی وغیرہ کی ہے۔

تیسرا طبقہ: امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے لیے قرآن کی تلاوت منع ہے۔

یہ رائے اسّی کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے، جن میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم شامل ہیں۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور اسے ہی حنفی مذہب نے بھی درست قرار دیا ہے۔

Marfat.com

تیسرے مسئلے کے حوالے سے [1]

احناف کے نزدیک ہر نمازی، خواہ امام ہو یا مقتدی یا تنہا اور نماز جہری ہو یا سری، آمین آہستہ کہے۔ غیر مقلدین وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی دونوں کو بلند آواز سے چیخ کر آمین کہنا چاہیے۔

اب ذیل میں دونوں فریق کے دلائل ملاحظہ فرمائیں!

احناف اہل سنت کے دلائل:

پہلی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا امّن الامام فاٰمنوا، فانه من وافق تأمینه تأمین الملئکة غفر له ما تقدم من ذنبه۔“ [2]

”سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس لیے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔“

دوسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”اذا قال احدکم فی الصلوٰۃ آمین و الملئکة فی السماء آمین، فوافقت احدهما الاخرٰی، غفر له ما تقدم من ذنبه۔“ [3]

”سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں، پس ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے موافقت کر جائے تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

۱- یہ پوری بحث بھی مرتب کے قلم سے ہے۔

۲- بخاری، ج:۱، ص:۲۷۰

۳- مسلم، ج:۴، ص:۱۰۸

Marfat.com

تیسری حدیث: حضرت وائل بن ابن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

''صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما بلغ غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین، قال: آمین و اخفی بھا صوتہ۔'' ۱

''انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین' پر پہنچے تو کہا آمین اور اپنی آواز آہستہ رکھی۔''

چوتھی حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین، فقال: اٰمین و خفض بہ صوتہ۔'' ۲

''وہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو 'غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین' پڑھتے ہوئے سنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: آمین اور اپنی آواز آہستہ رکھی۔''

پانچ ویں حدیث: حضرت امام محمد کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

''قال اربع یخفیھن الامام، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، و سبحانک اللھم، و التعوذ، و آمین۔'' ۳

''انھوں نے فرمایا کہ نماز میں چار چیزیں ایسی ہیں جنھیں امام کو آہستہ پڑھنا چاہیے، پہلی بسم اللہ، دوسری ثنا، تیسری اعوذ باللہ، چوتھی آمین۔''

چھٹی حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

۱- مسند احمد، ج:۵، ص:۴۱۳

۲- ترمذی، ج:۲، ص:۶۵

۳- عمدۃ القاری، ج:۶، ص:۴۷

Marfat.com

''لم یکن عمر و علی رضی اللّٰہ عنھما یجھران بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و لا باعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم و لا بآمین۔'' ۱

''انھوں نے کہا کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو 'بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم' بلند آواز سے کہتے تھے، نہ 'اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم' اور نہ ہی آمین۔''

وضاحت:

گذشتہ صفحات میں ذکر کیے گئے دلائل پر گفت گو سے پہلے احناف کے نزدیک 'آمین' کی واقعی حیثیت سے واقفیت از حد ضروری ہے، تاکہ زیر بحث مسئلہ پوری طرح اُجالے میں آجائے اور ہم غیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کرسکیں۔

احناف کے نزدیک 'آمین' بھی دعا ہے۔ ۲

اس کے دعا ہونے پر سب سے بڑی دلیل خود قرآن میں موجود ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کثرت سے معجزات دکھائے اور بہت کوشش کرلی، تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے: ۳

''وَ قَالَ مُوْسٰی رَبَّنَا اِنَّكَ آتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَ اَمْوَالًا فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔'' ۴

۱۔ جامع الاحادیث الکبیر، ج:۱۷، ص:۴۶۷

۲۔ دیکھیے، عمدۃ القاری، ج:۶، ص:۴۷

۳۔ دیکھیے، تفسیر رازی، ج:۱۷، ص:۲۹۵

۴۔ قرآن کریم، سورت:۱۰، آیت:۸۸

Marfat.com

''موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیاوی زندگی میں زیب وزینت سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی عطا کر دیے اور مال ودولت کی کثرت سے بھی نواز دیا، اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ اس لیے کہ وہ تیرے راستے سے لوگوں کو بہکاتے رہیں، اے ہمارے پروردگار! ان کی دولت تباہ وبرباد کر دے اور ان کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب اپنے سامنے دیکھ نہ لیں۔''

(فیضان القرآن)

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام نے 'آمین' کہا، تاہم قرآن کریم ان کے 'آمین' کو بھی دعا سے تعبیر فرما رہا ہے۔

قرآنِ مقدس کہہ رہا ہے:

''قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔''[1]

''اِرشادِ ربانی ہوا کہ بلاشبہہ مَیں نے تم دونوں کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا، پس تم دونوں ثابت قدمی کا مظاہر کرو اور ان لوگوں کی اطاعت و فرماں برداری نہ کرو، جو سمجھ بوجھ ہی نہیں رکھتے۔'' (فیضان القرآن)

دیکھ رہے ہیں آپ! دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی، حضرت ہارون نے نہیں، تاہم نہایت ہی صراحت کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کے کلمہ 'آمین' کو قرآن مقدس دعا سے تعبیر کر رہا ہے۔

اب یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ 'آمین' جب دعا ہے، تو دعا مانگنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ اس حوالے سے کسی اور کی نہیں، بل کہ اس ذاتِ

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۱۰، آیت: ۸۹

Marfat.com

واحد و یکتا کی ہدایت پر توجہ فرمائیے، جس سے دعائیں کی جاتی ہیں۔

قرآنِ مقدس کے الفاظ میں سماعت کیجیے!

"اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔" ۱

"تم اپنے پروردگار سے دعائیں کرو، گریہ و زاری کرتے ہوئے اور پوشیدگی کے ساتھ، بلاشبہ حد سے گزر جانے والوں کو وہ پسند نہیں فرماتا۔" (فیضان القرآن)

یہاں ایک بات اور قابل غور ہے اور وہ یہ کہ غیر مقلدین سب سے زیادہ جس کتابِ حدیث پر اِعتماد کرتے ہیں، وہ ہے بخاری شریف۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جہر کے ساتھ آمین کہنے کے حوالے سے دو باب باندھے ہیں؛ ایک امام کے لیے اور دوسرا مقتدی کے لیے، تاہم وہ ایک حدیث بھی ایسی ذکر نہیں کر سکے کہ جس میں جہر کے ساتھ آمین کہنے کی صراحت مذکور ہو۔ اس سے یہ امر بہت واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہ رہی ہوگی، کہ جس سے وہ اپنا مدعائے کلام ثابت کر سکتے۔

اب آیئے پچھلے صفحات میں ذکر کیے گئے دلائل پر گفت گو کرتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ صحابہ سے لے کر تابعین اور اجلہ علمائے کرام کے نزدیک 'آہستہ آمین' کہنا ہی بہتر قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک کا ایک قول بھی آہستہ آمین کہنے کو ترجیح دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ علمائے احناف کے ساتھ ساتھ دیگر فقہی مذاہب کا ایک بڑا طبقہ بھی ہمارے ہم خیال ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیش نگاہ رہے کہ احادیث میں ہے کہ 'جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت' کر جائے، تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم، سورت: ۷، آیت: ۵۵

Marfat.com

ظاہر ہے کہ فرشتے جہر کے ساتھ تو آمین کہتے نہیں ہیں، بل کہ آہستہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فرشتوں کی موافقت سے اِشارہ ہے کہ ہم بھی انہیں کی طرح آمین کہیں۔

فریق مخالف کے دلائل:

اب ہم اِختصار کے ساتھ فریق مخالف کے دلائل پیش کریں گے، پھران کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ کس کی رائے زیادہ قرینِ حق ہے اور کس پر عمل مناسب ہے۔

پہلی حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ 'و لا الضآلين' قال: آمين، و رفع بها صوته۔" ١

"کہتے ہیں کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم 'و لا الضآلین' پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔"

دوسری حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قرأ 'غير المغضوب عليهم و لا الضآلين' فقال: آمين، مد بها صوته۔" ٢

"کہتے ہیں کہ مَیں نے سنا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'و لا الضآلین' پڑھا اور کھینچ کر آمین کہا۔"

تیسری حدیث: حضرت بحر السقا نے حضرت زہری سے، انھوں نے حضرت سالم سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ

"ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا قال 'و لا الضآلين'، قال:

١- ابوداؤد، ج:٣، ص:٢٠٥

٢- مشکاۃ المصابیح، ج:١، ص:٢٥٩

Marfat.com

آمین، و رفع بها صوته۔'' ۱

''سرکارِ دو عالم ﷺ جب 'و لا الضآلین' پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔''

چوتھی حدیث: حضرت ابن ابی لیلیٰ.... حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قال: 'و لا الضآلین، قال: آمین۔'' ۲

''مَیں نے سنا کہ جب رسولِ اکرم ﷺ نے 'و لا الضآلین' پڑھا تو آمین کہا۔''

پانچویں حدیث: حضرت ابن ام الحصین رضی اللہ عنہا اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں:

''صلت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فسمعته و هو یقول: 'مالك یوم الدین' فلما قرأ 'و لا الضآلین'، قال: آمین حتی سمعته و هی فی صف النساء۔'' ۳

''کہ اُنھوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی، تو انھوں نے آپ کو پڑھتے ہوئے سنا: 'مالک یوم الدین' پھر جب انھوں نے 'و لا الضآلین' پڑھا تو آمین کہا، یہاں تک کہ انھوں نے اسے سن لیا، جب کہ وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔''

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ترك الناس التأمین، و کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قال: 'غیر المغضوب علیهم و لا الضآلین'، قال: آمین، حتی

۱- دار قطنی، ج:۱،ص:۳۲۹

۲- سنن ابن ماجہ، ج:۱،ص:۲۷۸

۳- مسند اسحاق بن راھویہ، ج:۱،ص:۳۰۰

Marfat.com

یسمعها اھل الصف الاول، فیرتج بھا المسجد"۱

"لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا، حالاں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب 'غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین' پڑھتے تو آمین کہتے تھے، یہاں تک کہ صفِ اوّل میں نماز پڑھنے والے سنتے، پس مسجد گونج اُٹھتی۔"

ساتویں حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"انه صلی خلف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فجھر بآمین......." ۲

"انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی امامت میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہا......"

جوابات:

۱- پہلی حدیث کی روایت امام ترمذی نے بھی کی ہے، تاہم انھوں نے 'رفع صوته' یعنی 'آپ ﷺ نے بہ آوازِ بلند پڑھا' کی بہ جائے 'مد صوته' یعنی 'آپ ﷺ نے کھینچ کر پڑھا' لکھا ہے۔ لہٰذا دونوں روایات میں تطبیق دی جائے تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ 'رفع' سے مراد کھینچنا ہی ہے، نہ کہ بلند کرنا۔ اور اس میں شک نہیں کہ آمین آہستہ بھی کھینچ کر پڑھی جا سکتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ پہلی اور دوسری، دونوں حدیثوں میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ دورانِ نماز کا ہے یا نہیں، بل کہ مناسب یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات خارج نماز ہوئی ہے۔ اور نماز کے باہر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد بہ آوازِ بلند آمین کہنے کے ہم قطعی مخالف نہیں ہیں۔

۲- تیسری حدیث کی روایت کرنے والوں کے درمیان "حضرت بحر السقاء" ہیں، جنھیں فن حدیث کے ماہرین علمائے کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ بھی

۱- سنن ابن ماجه، ج:۱، ص:۲۷۸

۲- ابوداؤد، ج:۳، ص:۲۰۸

Marfat.com

ایک جھلک دیکھ لیں!

امام بیہقی کہتے ہیں کہ بحر السقاء ضعیف ہیں، ان کی روایت حجت نہیں۔ ۱

امام ہیثمی کہتے ہیں کہ ان کے ضعف ہونے پر اجماع ہے۔ ۲

شیخ علی دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ ۳

شیخ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ ۴

شیخ محمد بن سعد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھے۔ ۵

امام حاکم ابو احمد ان کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھے۔ ۶

امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ۷

شیخ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ۸

امام ابو داؤد کے نزدیک بھی یہ ضعیف ہیں۔ ۹

امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ۱۰

۳- چوتھی حدیث میں پہلی بات تو یہ کہ صراحت ہے ہی نہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بلند آواز سے کہی اور نہ ہی یہ کہ یہ دورانِ نماز پیش آنے والا واقعہ ہے۔

۱- سنن الکبریٰ، ج:۸، ص:۲۲۵

۲- مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۵۱۳

۳- سنن دار قطنی، ج:۱، ص:۳۲۹

۴- لسان المیزان، ج:۶، ص:۲۷۳

۵- تہذیب الکمال، ج:۳، ص:۷

۶- تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۱۶۲

۷- ضعفاء العقیلی، ج:۱، ص:۱۵۴

۸- الکامل فی الضعفاء، ج:۱، ص:۲۱۶

۹- سؤالات ابی عبید الآجری، ج:۱، ص:۳۴۷

۱۰- تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۱۶۲

Marfat.com

لہٰذا یہ ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ ہماری گفت گو کا محور تو بس یہ ہے کہ دورانِ نماز ’آمین‘ بلند آواز سے نہیں کہی جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ اس کی روایت کرنے والوں کے درمیان شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں، جن کے بارے میں امام ابن حبان کہتے ہیں:

”کان ردیء الحفظ، فاحش الخطاء، فکثر فی حدیثه المناکیر، فاستحق الترك، ترکه احمد و یحیٰی۔“ ۱

”شیخ ابن ابی لیلیٰ کم زور حافظے کے مالک اور فحش خطا کرتے تھے، ان سے روایت کردہ احادیث میں عجیب وغریب باتیں کثرت سے ہیں، لہٰذا ان کی روایات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد اور امام یحیٰی نے انھیں ترک کر دیا۔“

اسی طرح امام بیہقی کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کثیر الوہم تھے۔ ۲

اور امام دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کا حافظہ قوی نہ تھا۔ ۳

۴۔ اب آیئے پانچ ویں حدیث کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ اس حدیث کی روایت کرنے والوں میں حضرت اسماعیل بن مسلم المکی ہیں۔ ان کی کنیت ابو اسحٰق ہے اور یہ بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عرصے تک مکہ میں رہے، اس لیے انھیں بہ جاے بصری کے، مکی کہا جانے لگا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑے فقیہ اور مفتی شمار کیے جاتے تھے، تاہم روایتِ حدیث کے حوالے سے ضعیف قرار دیے گئے ہیں۔

اس حوالے سے چند آرا سماعت کرتے چلیے تاکہ حزبِ مخالف کے دلائل و براہین

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۶، ص:۳۱۶

۲۔ سنن الکبریٰ، ج:۷، ص:۲۳۰

۳۔ سنن دارقطنی، ج:۲، ص:۲۳۲

Marfat.com

کی حقیقت پوری طرح اجالے میں آجائے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ ۱

امام احمد بن حنبل کہتے تھے کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ ۲

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ۳

امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ ۴

امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہیں۔ ۵

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام یحییٰ، امام ابن مہدی اور امام ابن مبارک نے ان کی روایات قبول نہیں کی ہیں، یا شاید کی ہوں۔ ۶

شیخ عبداللہ بن عدی الجرجانی نے انھیں ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ ۷

۵۔ اب ذرا چھٹی روایت پر نگاہ ڈالیے اور جاننے کی کوشش کیجیے کہ اس روایت کی بنیاد پر بلند آواز سے آمین کہنے کی بات کس قدر مضبوط اور متوازن ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اسے امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے، تاہم انھوں نے یہ نہیں کہا کہ "آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ۸

دوسری بات یہ کہ زیر بحث روایت میں صراحت ہے کہ "لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا تھا" بلاشبہ یہاں لوگوں سے مراد صحابۂ کرامؓ ہیں اور ہم یہ توقع نہیں رکھ

۱۔ سنن الکبریٰ، ج:۱۲،ص:۵۴

۲۔ تہذیب الکمال، ج:۲،ص:۲۲۸

۳۔ نفس مصدر

۴۔ نفس مصدر

۵۔ تہذیب التہذیب، ج:۱،ص:۲۱۶

۶۔ نفس مصدر

۷۔ الکامل فی الضعفاء، ج:۲،ص:۳۵۲

۸۔ دیکھیے، ابوداؤد، ج:۳،ص:۲۰۸

Marfat.com

سکتے کہ کوئی حکم بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے جاری ہو اور صحابہ کرام اس پر عمل نہ کریں۔ اور یہ بھی تو دیکھیے کہ یہاں روایت کرنے والے ایک دو افراد کی بات نہیں کر رہے ہیں، بل کہ صحابۂ کرام کے عمومی عمل کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ لہٰذا اب صرف دو توجیہ باقی رہ جاتی ہے، پہلی یہ کہ صحابۂ کرام نے جانتے بوجھتے آمین کہنا ترک کر دیا تھا، یا پھر زور سے آمین کہنے کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلی توجیہ صحابۂ کرام کی عظمت و جلالت، شرافت و طہارت اور عفت و عصمت کے قطعی منافی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کر لیجیے کہ بہت ممکن ہے کہ تعلیم عوام کے لیے ابتدا میں بہ آوازِ بلند آمین کہی جاتی رہی ہو، تاہم وہ بعد میں منسوخ ہو گئی ہے اور زیر بحث روایت اس امر پر وضاحت کے ساتھ دلالت بھی کرتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ یہاں آمین کی آواز سے مسجد کے گونجنے کی بات ہو رہی ہے اور گونجنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ سارے لوگ بلند آواز سے آمین کہیں، تاہم مذکورہ بالا روایت میں قطعی کوئی صراحت نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ نمازیوں نے بھی بلند آواز سے آمین کہی ہے۔

اور پھر یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ آواز کے گونجنے کے لیے کم از کم دو تین اطراف سے جگہ کا مکمل بند ہونا ضروری ہے، اور تاریخی طور پر یہ ثابت شدہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے میں مسجد چھپر کی تھی اور اطراف و جوانب پوری طرح بند نہیں تھے۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے آمین کہنے سے مسجد گونج اٹھی ہو۔ لہٰذا کہنے دیا جائے کہ یہ روایت فہم و فراست، مشاہدہ و بصیرت اور عقل و دانش کے قطعی خلاف ہے اور علماے فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک ایسی روایات جو خلافِ عقل و مشاہدہ ہوں، وہ قابل اِعتماد نہیں سمجھی جاتیں۔

چوتھی بات یہ کہ اس حدیث کی روایت کرنے والوں کے درمیان حضرت ابو الاسباط بشر بن رافع ہیں، جو اہل نجران کے امام اور مفتی رہے ہیں، تاہم علماے حدیث

Marfat.com

کے نزدیک معتمد نہیں سمجھے جاتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو چند آرا سماعت کرتے چلیے!

امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ معتمد نہیں ہیں۔ [۱]

امام نورالدین ہیثمی کہتے ہیں کہ ان کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ [۲]

امام ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ موضوع احادیث روایت کرتے ہیں۔ [۳]

امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بالاتفاق ضعیف ہیں۔ [۴]

امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ ان سے احادیث نہیں لیتے ہیں۔ [۵]

امام ترمذی نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ [۶]

امام ابواحمد حافظ حاکم کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ [۷]

امام عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ [۸]

امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ [۹]

امام احمد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ [۱۰]

۶۔ فریق مخالف کی تحریر کردہ ساتویں حدیث کے حوالے سے چند باتیں ایسی ہیں، جو نہایت ہی غور طلب ہیں:

۱۔ سنن کبریٰ، ج:۳، ص:۱۱۳

۲۔ مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۴۵۶

۳۔ مصباح الزجاجہ، ج:۱، ص:۱۷۲

۴۔ فیض القدیر، ج:۳، ص:۵۰۷

۵۔ تہذیب الکمال، ج:۳، ص:۴۷

۶۔ نفس مصدر

۷۔ نفس مصدر

۸۔ ضعفاء العقیلی، ج:۱، ص:۱۴۰

۹۔ الکامل فی الضعفاء، ج:۲، ص:۲۵۷

۱۰۔ میزان الاعتدال، ج:۲، ص:۲۸

Marfat.com

پہلی بات یہ کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے جو روایت ترمذی میں ہے، اس میں صراحت کے ساتھ دورانِ نماز بہ آوازِ بلند آمین کہنے کا تذکرہ نہیں ہے، جب کہ ان سے جو روایات ترمذی اور مسند احمد میں نقل ہوئی ہیں، ان میں دورانِ نماز آہستہ آمین کہنے کی صراحت موجود ہے۔

دوسری بات یہ کہ جب ایک ہی راوی سے دو طرح کی روایات موجود ہوں، تو ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لیے خارجی اسباب وعلل کی حاجت ہوتی ہے کہ بغیر کسی وجہ کے ایک روایت کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ کوئی شک نہیں کہ جب ہم اس پس منظر میں ہم متذکرہ روایات کو دیکھتے ہیں، تو آمین آہستہ کہنے پر وجہِ ترجیح قرآنِ مقدس کی آیت کریمہ ہے، جسے احناف اہل سنت کے دلائل کی وضاحت کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے کہ آمین بھی دعا ہے اور دعا کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔

تیسری بات یہ کہ زیر بحث حدیث اِبتدائی مرحلے کے حوالے سے ہے، جس میں تعلیم اُمت کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے کی اجازت رہی، تاہم بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور صحابۂ کرام نے بلند آواز سے آمین کہنا ترک کردیا۔ اور اس توجیہ پر پچھلے صفحات میں ذکر کردہ چھٹی حدیث بہ طور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

خلاصۂ بحث:

اب آیئے زیر بحث عنوان کے حوالے سے ایک اجمالی خاکہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ مدعائے کلام تک پہنچنا کسی قدر آسان ہوجائے۔

دورانِ نماز آمین کہنے کے بارے میں پانچ آرا ہیں:

۱۔ دورانِ نماز نہ آہستہ آمین کہنی چاہیے اور نہ ہی بلند آواز سے۔

یہ رائے فرقہ اِباضیہ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'آمین' اِنسانی کلام کا حصہ ہے اور

Marfat.com

دورانِ نماز یہ ممنوع ہے۔ اپنی رائے پر دلیل دیتے ہوئے وہ حدیث پیش کرتے ہیں:

''ان هذه الصلوٰة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، انما هو التسبيح، و التكبير، و قراءة القرآن۔'' ۱

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دورانِ نماز انسانی کلام کی گنجائش نہیں، بل کہ یہ تو تسبیح، تکبیر اور تلاوتِ قرآن کا نام ہے۔''

ٹھیک ہے 'آمین' قرآنِ مقدس کا حصہ نہیں ہے، تاہم جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی بھی ہے اور مقتدیوں کو آمین کہنے کی ہدایت بھی دی ہے، تو متذکرہ حدیث سے پیش کردہ مفہوم کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'آمین' کہنا بہ طور اِستثنا ہے، یعنی دورانِ نماز بنیادی طور پر انسانی کلام کے کرنے پر پابندی ہے، لیکن جس کی اجازت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی، وہ درست ہے۔

اِتمامِ حجت کرتے ہوئے یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ متذکرہ حدیث میں کلامِ عوام سے منع کیا جا رہا ہے، لیکن 'آمین' کلامِ عوام نہیں بل کہ کلامِ ملائکہ ہے اور ہم تو صرف ان کے کلام کی موافقت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲- دورانِ نماز امام 'آمین' نہ کہے بل کہ صرف مقتدی کہے

یہ روایت شیخ ابن القاسم نے امام مالک سے کی ہے۔ وہ دلیل دیتے ہوئے یہ روایت پیش کرتے ہیں:

''اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم احدكم، فاذا كبر فكبروا، و اذا قال: 'غير المغضوب عليهم و لا الضآلين'، فقولوا: آمين، يحبكم الله۔'' ۲

''سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو،

۱- مسلم، ج:۵، ص:۱۷

۲- مسلم، ج:۴، ص:۱۰۰

Marfat.com

تو صفیں بناؤ، پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کرے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ 'غیر المغضوب علیهم و لا الضآلین' کہے تو تم سب آمین کہو!''

ان کے نزدیک وجہِ استدلال یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے متذکرہ بالا حدیث میں امام کو 'آمین' کہنے کی ہدایت نہیں دی ہے، بل کہ صرف مقتدیوں سے کہا ہے کہ وہ 'آمین' کہیں۔

یہ رائے چوں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی دیگر معتمد علیہ رائے سے متصادم ہے، لہٰذا یہ محلِ نظر ہے ہی نہیں۔

۳- امام بلند آواز سے آمین کہے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں

یہ رائے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق ہے کہ جس طرح امام کے پیچھے مقتدی کے سارے اعمال آہستہ ہوتے ہیں، ٹھیک اسی طرح آمین بھی آہستہ کہنی چاہیے۔ ۱

یہ رائے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے ایک قول کی حد تک ہے، لہٰذا قابلِ اعتنا نہیں۔

۴- اِمام اور مقتدی دونوں کو بلند آواز سے آمین کہنی چاہیے

یہ رائے امام اوزاعی، امام شافعی، اِمام احمد رضی اللہ عنہم اور اہلِ حدیث کی ہے۔

اس رائے کے حوالے سے آپ نے گذشتہ صفحات میں نہ صرف شرح و بسط کے ساتھ دلائل و براہین سماعت کر لیے ہیں، بل کہ عقل و فراست اور مناسب توجیہ کے سہارے ان کے جوابات بھی پڑھ لیے ہیں، نیز یہ کہ متذکرہ احادیث کی روایت کرنے والے راویوں کے درمیان بعض ایسے افراد بھی شامل رہے ہیں، جنھیں ائمۂ حدیث اور بڑے علمائے کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۵- امام اور مقتدی، دونوں کو آہستہ آمین کہنی چاہیے

۱- دیکھیے، فتح الباری، ج: ۷، ص: ۹۱

Marfat.com

یہ رائے امام حسن، امام نخعی، امام ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم اور جمہور کی ہے۔

اس رائے کی تائید میں پچھلے صفحات پر آپ نے کئی احادیث پڑھی ہیں، جو کہ قرآنِ کریم کی آیت سے بھی موافقت کرتی ہیں، نیز یہ رائے جہر کے ساتھ آمین کہنے والی روایات اور آہستہ کہنے والی روایات کے درمیان قابلِ قبول تطبیق بھی کرتی ہے کہ بہ آوازِ بلند آمین کہنے والی روایات ابتدائی مرحلے اور تعلیم اُمت کے حوالے سے تھیں، پھر جب یہ ہدف پوری طرح حاصل کرلیا گیا، تو حتمی ہدایت جاری کی گئی اور آہستہ آمین کہنے پر ملتِ اسلامیہ عمل پیرا ہوگئی۔

Marfat.com

Marfat.com

مصادر و مراجع

احادیث و شروح

۱۔ بخاری: امام محمد بن اسماعیل بخاری، دار احیاء التراث العربی
۲۔ مسند احمد: امام احمد بن حنبل، مکتبہ دار الاقصیٰ کویت، ۱۹۸۵
۳۔ مسلم: امام ابو الحسین مسلم بن حجاج نیساپوری، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۲
۴۔ مسند دارمی: امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶
۵۔ مستدرک: امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰
۶۔ مجمع الزوائد: حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰
۷۔ شعب الایمان: امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، دار الفکر
۸۔ صحیح ابن حبان: شیخ محمد بن حبان تمیمی، دار الفکر
۹۔ مصنف ابن شیبہ: امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، دار الفکر
۱۰۔ شرح مسلم: امام یحییٰ بن شرف نووی، دار الفکر، ۱۹۹۴
۱۱۔ نسائی: امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، دار الفکر، ۱۹۹۶
۱۲۔ صحیح ابن خزیمہ: شیخ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی، المکتب الاسلامی
۱۳۔ مصنف عبدالرزاق: امام عبدالرحمٰن محمد بن اسماعیل صغانی، دار الفکر

Marfat.com

۱۴- ابوداؤد: امام سلیمان بن اشعث بجستانی، دارالاستقامۃ، ۱۹۹۷

۱۵- عمدۃ القاری: امام بدرالدین عینی، دارالفکر

۱۶- طحاوی شریف: امام ابوجعفر طحاوی، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۱۷- ترمذی: امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۴

۱۸- سنن دارقطنی: امام علی بن عمر دارقطنی، دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۳

۱۹- نسائی صغریٰ: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، دارالفکر، ۱۹۹۶

۲۰- کنز العمال: علامہ علی متقی بن حسام الدین، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت

۲۱- القراءۃ خلف الامام: امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۸۴

۲۲- سنن کبریٰ: امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، دارالفکر

۲۳- مؤطا امام مالک: امام مالک بن انس اصبحی، دارالکتب العربی، ۱۹۸۸

۲۴- مسند الشامیین: مؤسسۃ الرسالہ

۲۵- جامع الاحادیث الکبیر: امام جلال الدین سیوطی، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۶- مشکاۃ المصابیح: شیخ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، دارالفکر، ۱۹۹۱

۲۷- مسند اسحاق بن راھویہ: شیخ اسحاق بن ابراہیم ابن راھویہ، مکتبہ الایمان، مدینہ

۲۸- سنن ابن ماجہ: امام محمد بن یزید الربعی، داراحیاء التراث العربی

۲۹- مصباح الزجاجہ: شیخ شہاب الدین البوصیری، دارالبارودی

۳۰- فیض القدیر: شیخ محمد عبدالروف بن تاج العارفین مناوی، دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۱

۳۱- قراءۃ خلف الامام: امام محمد بن اسماعیل بخاری

اسمائے رجال

۳۲- لسان المیزان: حافظ شہاب الدین بن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۳

۳۳- تہذیب الکمال: شیخ جمال الدین مزی

Marfat.com

۳۴-ضعفاء العقیلی: شیخ محمد بن محمد عقیلی حجازی

۳۵- الکامل فی الضعفاء: شیخ عبداللہ بن عدی جرجانی، دار الفکر، ۱۹۹۷

۳۶-سوالات ابی عبید الآجری: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، دار الاستقامہ، ۱۹۹۷

۳۷- سیر اعلام النبلاء: حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، دار الفکر، ۱۹۹۷

۳۸- تہذیب التہذیب: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار المعرفہ، ۱۹۹۶

۳۹- میزان الاعتدال: حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۵

۴۰- طبقات کبریٰ: حافظ محمد بن سعد الزہری، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۷

تفسیر و قرآنیات، فقہ

۴۱- الدر المنثور: امام جلال الدین سیوطی، دار الکتب العلمیہ

۴۲- الفتح الکبیر، امام جلال الدین سیوطی، دار الفکر

۴۳-تفسیر قرطبی: شیخ محمد بن احمد قرطبی، دار الکتب العلمیہ

۴۴-روح البیان: شیخ اسماعیل حقی، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۵

۴۵- تفسیر رازی: امام محمد بن عمر رازی، دار احیاء التراث العربی

۴۶- روح المعانی: امام محمود بن عبداللہ حسینی آلوسی، در احیاء التراث العربی

۴۷- لباب التاویل فی معالم التنزیل، سورت: آل عمران، آیت: ۱۷۹

۴۸- ہدایہ: شیخ علی بن ابوبکر المرغینانی، دار الکتب العلمیہ

۴۹- تفسیر ابن کثیر: شیخ اسماعیل بن عمر بن کثیر، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۹۵

۵۰- اتقان فی علوم القرآن: امام جلال الدین سیوطی

Marfat.com

اُمتِ مسلمہ کی فکری اساس کا ترجمان

سلسلہ وار اخبار

لاہور

صدائے قبلتین

ایڈیٹر

علی سجاد رانا

* توحیدِ باری تعالیٰ، عظمتِ مصطفیٰ، ناموسِ صحابہ کرام اور عترتِ اہل بیتِ عظام اور اسوۂ صوفیہ کرام کے بارے وافر معلومات حاصل کرنے کے لیے ہر ماہ مطالعہ کیجیے!
* دینی جماعتوں کی سرگرمیوں سے باخبر رہیے!
* دینی مدارس اور ان کی تعلیمی کاوشوں کے بارے میں جاننے کے لیے اس کا مطالعہ ازحد ضروری ہے!
* ملک کے معروف علماء ومشائخ کرام اور دینی وسیاسی راہ نماؤں کے انٹرویوز اور تعارف کے خصوصی ایڈیشنز ملاحظہ کیجیے!
* اخلاقیات، طرزِ معاشرت اور نظامِ اسلام کے عملی نفاذ کی حکمتِ عملی کا مطالعہ کیجیے!
* زندگی میں پیش آنے والے روزمرہ مسائل کا حل مستند مفتیانِ کرام سے پوچھیے!

دفتر صدائے قبلتین، الظہور ہوٹل، داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

0342-7569653 alisajjadrana@gmail.com

Marfat.com

”دار الاسلام“ کی شائع کردہ تراثِ علمیہ

1- المبین مع تنقید وتبصرہ 2- الرشاد 3- نُزْهَةُ الْمَقَالِ فِي لِحْيَةِ الرِّجَال

پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

4- شَرْحُ الْمِرْقَاةِ لِشَمْسِ الْعُلَمَاءِ الْمَوْلَوِي مُحَمَّد عَبْدُ الْحَقِّ الْخَيْرَابَادِي

وَيَلِيه: رسالة فِي الْوُجُودِ الرَّابِطِي لِلسَّيِّدِ الْحَكِيمِ بَرَكَاتِ أَحْمَدَ التُّونكي

5- ابحاثِ ضروری: حافظ ولی اللہ لاہوری، محشّی: مولوی فقیر محمد جہلمی، تحقیق: خورشید احمد سعیدی

6- الروض المجود (وحدۃ الوجود): علامہ محمد فضل حق خیر آبادی، مترجم: حکیم سید محمود احمد برکاتی

7- علامہ فضل حق خیر آبادی - چند عنوانات: خوشتر نورانی

8- حیاتِ استاذ العلما مولانا یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ: علامہ غلام رسول سعیدی

9- مولودِ کعبہ کون؟: مولانا قاری محمد لقمان قادری

10- مَنْ هُوَ مُعَاوِيَه؟: مولانا قاری محمد لقمان قادری

11- اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله: مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری رحمۃ اللہ علیہ

12- توثیق صاحبین: فیصل خان رضوی

13- دفاعِ سیدنا امیر معاویہ: شیخ حیات سندھی، عبدالعزیز پرہاروی، عبدالقادر بدایونی وغیرہم

14- افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر پر اجماعِ امت: فیصل خان رضوی

15- رسائل مولانا خیر الدین خیوری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (والدِ ابوالکلام آزاد)

16- مجلّہ ”حجۃ الاسلام“/علامہ اشرف سیالوی نمبر

17- اَلثَّوْرَةُ الْهِنْدِيَّة لِلْإِمَام فَضْل حَقّ الْخَيْرَابَادِي، تَحْقِيق: الدُّكْتُورَة قَمَرُ النِّسَاء

18- مدحتِ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ: فرزدق تمیمی، مترجم: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

19- فکر و نظر کے دریچے: مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

20- فیضیہ (فن مناظرہ): ادیبِ ہند مولانا فیض الحسن سہارن پوری

21- عرفانِ مذہب ومسلک مع عرفانِ حقیقت: یٰسین اختر مصباحی

22- کلیاتِ کافی: سلطانِ نعت گویاں حضرت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی زیرِ طبع

Marfat.com

"انوارُ الاسلام" کی شائع کردہ نادر علمی کتب

1- محاسن میلاد النبی: قاری محمد عبداللہ حنفی

2- عوامی غلط فہمیاں اور اُن کی اِصلاح: مولانا تطہیر احمد رضوی

3- لکی کمیٹی کی شرعی حیثیت: قاری محمد عبداللہ حنفی

4- مختصر الاصول (اُصولِ حدیث): مولانا نعیم الدین مراد آبادی

5- العروض والقوافی: پروفیسر مولانا اصغر علی رُوحی رحمۃ اللہ علیہ

6- اِسلام کے بنیادی عقائد ترجمہ اَحۡسَنُ الۡکَلَام فِیۡ تَحۡقِیۡقِ عَقَائِدِ الۡاِسۡلَام: مولانا شاہ عبدُ القادِر بدایونی، مترجم: مولانا دلشاد احمد قادری

7- تفسیر اُمّ القرآن: علّامہ ارشد القادری، ترتیب: ڈاکٹر غلام زرقانی

8- صِلاتُ الافعال: مولانا رضوان احمد نوری شریفی

9- تذکرۂ علمائے نحو (اخبارِ نحات): مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمۃ اللہ علیہ زیرِ طبع

10- تذکرۂ علمائے فقہ (حدائق الحنفیہ): مولوی فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ طبع

11- الاجماع (مترجم): اِمام ابوبکر محمد بن اِبراہیم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ زیرِ طبع

12- کشف الحجاب: مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ طبع

13- تحفۃ السالکین، تحفۃ الصوفیہ: مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ طبع

Marfat.com

علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ کے قلم سے مرقوم چند صفحات کے عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم ①

سورۃ الفاتحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ساری تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

فضائل

مختلف تفاسیر کی صراحت کے مطابق اس سورہ مبارکہ کے اٹھارہ نام ہیں - اور چونکہ نام کی کثرت نام والے کی عظمت و فضیلت پر دلالت کرتی ہے اس لئے یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں یہ سورہ مبارکہ ایک منفرد اور بلند و بالا شان رکھتی ہے - اب ذیل میں ناموں کی تفصیلات اور ہر نام کی الگ الگ وجوہ ملاحظہ فرمائیے -

(حاشیہ: یہ سورۂ مبارکہ)

فاتحۃ الکتاب ①

اس کے معنی ہیں کتاب کو کھولنے والی - چونکہ کتاب اللہ کا افتتاح اسی سورہ مبارکہ سے ہوتا ہے اس لئے اس کا نام فاتحۃ الکتاب ہے -

الفاتحہ ②

اس کے معنی ہیں کسی چیز کا افتتاح کرنے والا - چونکہ اس سورت سے نماز کا افتتاح ہوتا ہے اس لئے اس کا نام سورہ فاتحہ ہے - اور اسے اس لئے بھی فاتحہ کہتے ہیں کہ یہ اس حمد پر مشتمل ہے جس سے ہر کتاب کا آغاز ہوتا ہے - ایصال ثواب کے مروجہ طریقہ کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسری سورتوں کے علاوہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے -

السبع المثانی

اس کے معنی ہیں وہ سات چیزیں جو مکرر ہیں - علمائے مفسرین نے اس نام کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں - پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورہ مبارکہ دو بار نازل ہوئی - ایک بار ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں اور دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں - جیسا کہ صاحب مدارک نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے - اور چونکہ یہ سورت سات آیات پر مشتمل ہے اس لئے اس کا نام السبع المثانی ہے -

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس سورت کو السبع المثانی اس لئے بھی کہتے ہیں کہ ابتدا میں نمازیں شفع شفع یعنی دو دو رکعت کر کے فرض ہوئی تھیں اور ہر شفع میں یہ سورت دو بار پڑھی جاتی تھی -

اور کچھ لوگوں کا رجحان یہ ہے کہ السبع المثانی نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت

Marfat.com

[illegible] ... ٹام کو باغ میں گیا ... ادھر ادھر پھرتا ہوا

... سے باہر ... دو گھنٹے ... روانہ ہوتا ... وقت گزاری کیلئے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا

[illegible] دور سے دیکھا کچھ لوگ کوئی چیز دیکھ رہے ہیں ... قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک آرٹسٹ کسی تصویر

کا ... بورڈ پر ... بہت سرخ گلاب کا پھول بنا رہا ہے ... کچھ دیر تک میں بھی

[illegible] ... آرٹسٹ دیکھتا رہا ... اسی دوران ایک شخص بول پڑا کہ ... پتی کا

... سبز رنگ بہت گہرا ہو گیا ہے ... دوسرے آدمی نے کہا کہ پھول کی ... اور

ذرا پھول کی پنکھڑیوں کو دیکھو کتنی ... بھدی نظر آتی ہیں ... دونوں آدمیوں کی بات سنکر آرٹسٹ کا چہرہ غصہ سے سرخ

ہو گیا ... اس نے مڑ کر ... خشمگیں انداز میں دیکھا اور پھر اپنے کام میں لگ گیا ... تھوڑی ہی دیر میں دو آدمی اور آئے

اور وہ بھی ... کھڑے ہو گئے ... گلاب کا پھول دیکھ کر وہ بے ساختہ بول ... مجھے تو گلاب نظر آتا ہے اس کا تو

بڑھ کر ... یہ سنکر آرٹسٹ کا چہرہ خوشی سے ... کھل گیا

اپنا کام ختم کر کے جب وہ نیچے اترا تو میں نے ... کہا کہ عجیب ... والوں نے

تو گلاب کا رنگ اور پنکھڑیوں میں عیب نکالا تھا تمہیں تو کچھ ... تمہارے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہو گئے ... اور تعریف کرنے

والوں نے پھول کی تعریف کی تو تم ... ایک لفظ بھی نہیں کہا تمہارا چہرہ خوشی سے پھول کی طرح ... کھل گیا ... شگفتہ ہو گیا

اس نے جواب دیا یہ سمجھ کر ... عیب نکالنے والوں نے میرا ... اور تعریف کرنے والوں نے میری طرف

اشارہ کیا ... پھول کی ... علم کو تیز کر دیا ... رنگ کیا ... سکتا ہے

اس لئے جن لوگوں نے ... کی ... ان ... اور جن لوگوں نے تعریف کی ... وہ پھول کی نہیں بلکہ پھول کو بنانے والے کی تھی

... گویا ... رنگ ... یہ آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی

... انداز ... تھا کہ ... اپنے ... کیلئے ...

(خدا کا تحفہ اپنے رسول کیلئے) ... (اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ... شرف)

قرآن کریم ... کی طرح ... سے ... آپ کو گزرنا پڑا ... نے اپنے محبوب کو

(انا حسین و جمیل بنایا کہ جتنی خوبیاں کسی مخلوق میں ممکن ہو سکتی تھیں ان ساری خوبیوں سے آراستہ کر دیا) ... رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر ... اور جواب آسمان سے نازل ہوتا ہے ... گستاخی کرنے والے رسول کی بارگاہ میں

گستاخی کرتے ہیں اور ... گستاخی کرتے ہیں رسول کی بارگاہ میں اور ... خداوند ذوالجلال کی طرف سے

عیب ... رسول کی ذات پر اور ... اور دفاع فرماتا ہے رب کریم!

... وضاحت کیلئے چند ... ملاحظہ فرمائیے

① حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے محبوب ترین صحابی ہیں ... ان کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے ...

... یہ بنو کلب کے حارثہ نامی ایک شخص کے صاحبزادے ہیں ... جب یہ آٹھ سال کے ہوئے

تو اس وقت ان کی ماں ... اپنے میکے لیکر گئیں ... وہاں کچھ ... نے ... پر حملہ کیا اور لوٹ مار کی تو جن لوگوں کو

وہ پکڑ کر لے گئے ... حضرت زید بھی تھے ... پھر انہوں نے ... مکہ کے قریب ... عکاظ کے میلے میں لا کر انہیں بیچ دیا

خریدنے والے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم ابن حزام تھے ... انہوں نے مکہ لا کر اپنی پھوپھی ... کی خدمت

میں ... کر دیا ... نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ... حضرت خدیجہ کا نکاح ہوا تو حضور نے ان کے یہاں حضرت

زید کو دیکھا ... ان کی ... اور ... سیدہ خدیجہ ... انہیں حضور ... سے مانگ لیا

[illegible]

حضرت زینب سے نکاح کی خبر جیسے ہی منافقین ... لے پالک بیٹے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

غضب ہو گیا

۲ لے پالک بیٹے حضرت زینب کیساتھ نکاح کی خبر دشمنوں تک پہنچی انہوں نے ہر طرف یہ آوازہ پھیلانا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ۔ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ۔ ان کا اعتراض کا منشا یہ تھا کہ ایک سچا پیغمبر اپنے بیٹے کی بیوی سے کہ عام انسان کی غیرت بھی برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرے چہ جائیکہ ایک ایسا شخص جو کہے کہ آپ کو خدا کا پیغمبر کہتا ہے ایسا کام کرے جو اخلاقی اعتبار سے نہایت بے غیرتی کی بات ہے۔

۳ حضور کیخلاف طرح طرح کی افواہوں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا ۔ مشرکین منافقین اور یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ... (انہوں نے جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کرنے کی) ... طرح پھیلا ... جو پہلے شکست اور ذلت کا مزا چکھ چکے تھے بدر سے لیکر غزوۂ احزاب تک جن پے در پے شکستوں اور ذلتوں کا مزا چکھا تھا وہ ہر وقت جذبۂ انتقام میں پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے اب انھیں اپنے دلوں کا بخار نکالنے کا ... موقع مل گیا ... طرف اعتراضات

حضور کیخلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ۔ ان کا اعتراض کا منشا یہ تھا کہ ایک عام آدمی کی غیرت بھی اسے گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرے چہ جائیکہ ایک ایسا شخص جو ... جس کام کو ایک عام آدمی کی غیرت گوارا نہیں کر سکتی اس کا ارتکاب کو خدا کا پیغمبر کیسے کر سکتا ہے

انسانیت کی ... کا کام جیسے عام آدمی بھی گوارا نہیں کر سکتا خدا کی طرف سے

خدا کا پیغمبر کیونکر کر سکتا ہے

کام ایک پیغمبر

لازم نہیں یہ بات ... بہتان ہے الزام کا جواب دینے کیلئے

... خیر ... پیغمبر کیونکر کر سکتا

... الزام بالکل صریح بہتان ہے

قرآن کریم نے یہ بات واضح کر دی

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اپنے بیٹے ... کیا تھا

غور فرمائیے!

ان آیات کے ذریعہ قرآن نے وہ بنیادیں جن پر ... اعتراضات تھے ... اب غور کیجئے تو آپ پر یہ

حقیقت واضح ہو کہ جس پر الزام کا اس نے ... اس کی بنیادیں منہدم کر دیں۔

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ... مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں تو کسی کی بیوی ان کی بہو کیونکر ہو سکتی ہے ... کہ آپ ... جسمانی ... ہیں ... قائم کرنے کی ضرورت ہو ۔ بلکہ رشتوں کا ... یہ دعویٰ کہ وہ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں قطعاً نہیں کہ ... کی ضرورت پیش آئے

بلکہ رشتوں کا ... ہر شخص ... کہ ... ہو ...

... نہ ہر شخص کو ... تعلیم ... ہے

... بنیادی ... جو ...

کیا صرف [illegible] رحمت کا مفہوم ادا کرنے کیلئے کیا صرف الرحمٰن کافی تھا یا الرحیم کافی نہیں تھا

ذرا قرآن پڑھ جائیے آپ کو کہیں بھی [illegible] یہ دونوں [illegible] الگ الگ نہیں ملیں گے۔

لیکن یہاں عالمین کی ربوبیت کیلئے جب وسیع لامحدود اور ہمہ گیر رحمت و کرم کی ضرورت ہے

رب العالمین کیا ہے

یہاں پر دونوں کو جمع کیا گیا ہے کہ عالمین کی ربوبیت و پروردگاری کیلئے [illegible] بے پایاں

لامحدود اور ہمہ گیر رحمت و کرم کی ضرورت ہے۔ اور بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ کائنات

کی وہ مخلوقات جو [illegible] ہر وقت خدا کی رحمت و کرم کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو [illegible]

جیسے کہ مخلوقات میں جو پیدا ہوئیں یا کہ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو پرورش ہو رہی ہے اور جن کا [illegible] باغی اور

جرات

نافرمان [illegible] بھی پالا جا رہا ہے۔ آسمان سے بارش برستی ہے تو مومن اور کافر دونوں [illegible]

بندے کا فرمان اور باغی انسان کو

سیراب ہوتے ہیں دھوپ نکلتی ہے تو [illegible] کافر [illegible] مومن کا آنگن

[illegible] کافر کی [illegible] زمین کبھی نہیں ہوتا کہ زمین [illegible] سینہ شق کر کے ایک مسلمان کے دانے کو

[illegible] مسلمان کا بویا ہوا [illegible] پروان چڑھے اور کافر دانہ [illegible] تو [illegible]

[illegible] سڑا دیا جائے۔ یہ ساری بہار اسی رحمت کی ہے جو رحمٰن میں بھی

جلوہ گر ہے اور رحیم میں بھی ــــــ رحمٰن و رحیم کی رحمت نہ ہو تو نہ یہ بہاریں ہوں

[illegible] سبزے نظر آئیں گے

Marfat.com

تفسیر ام القرآن

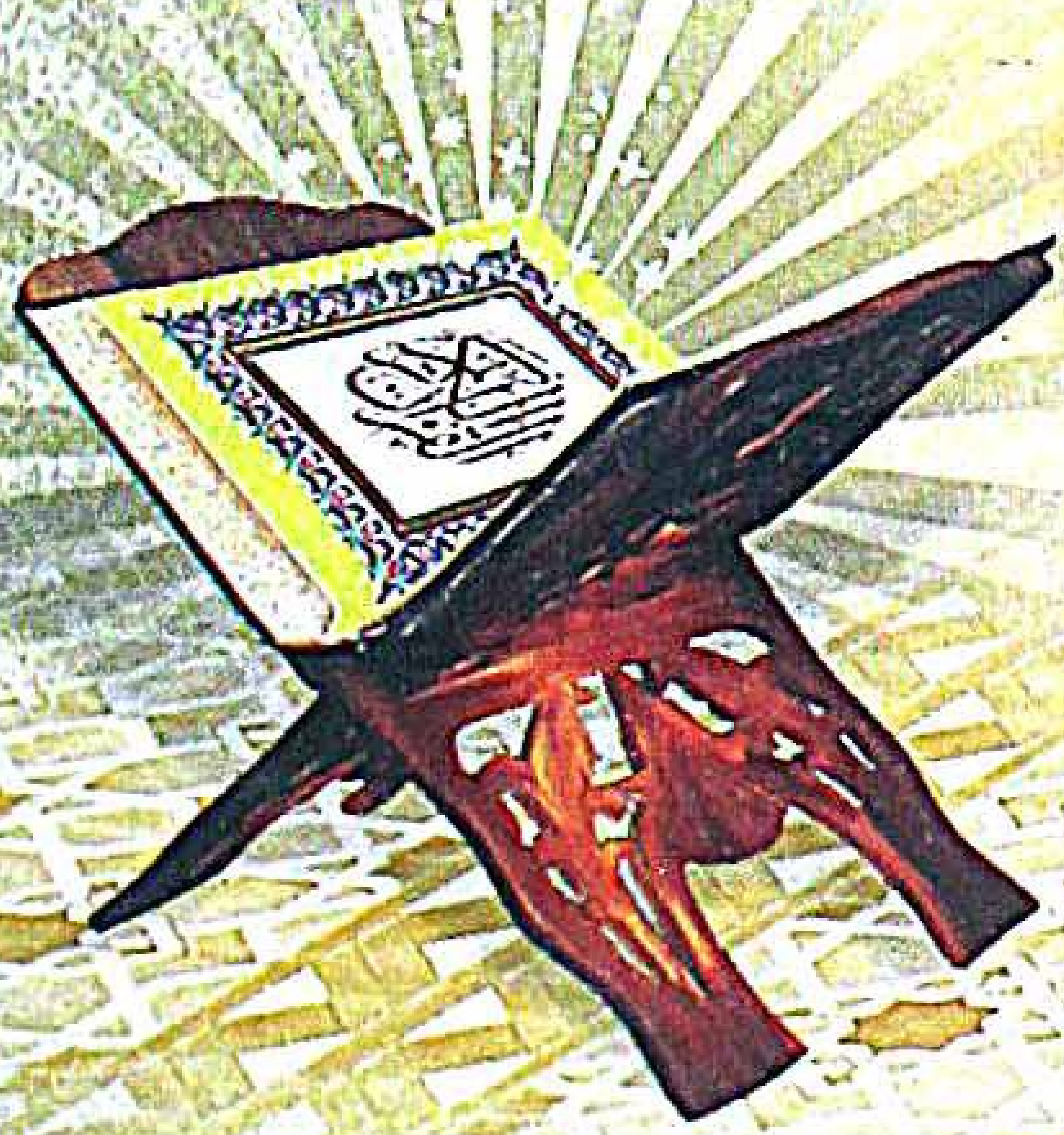

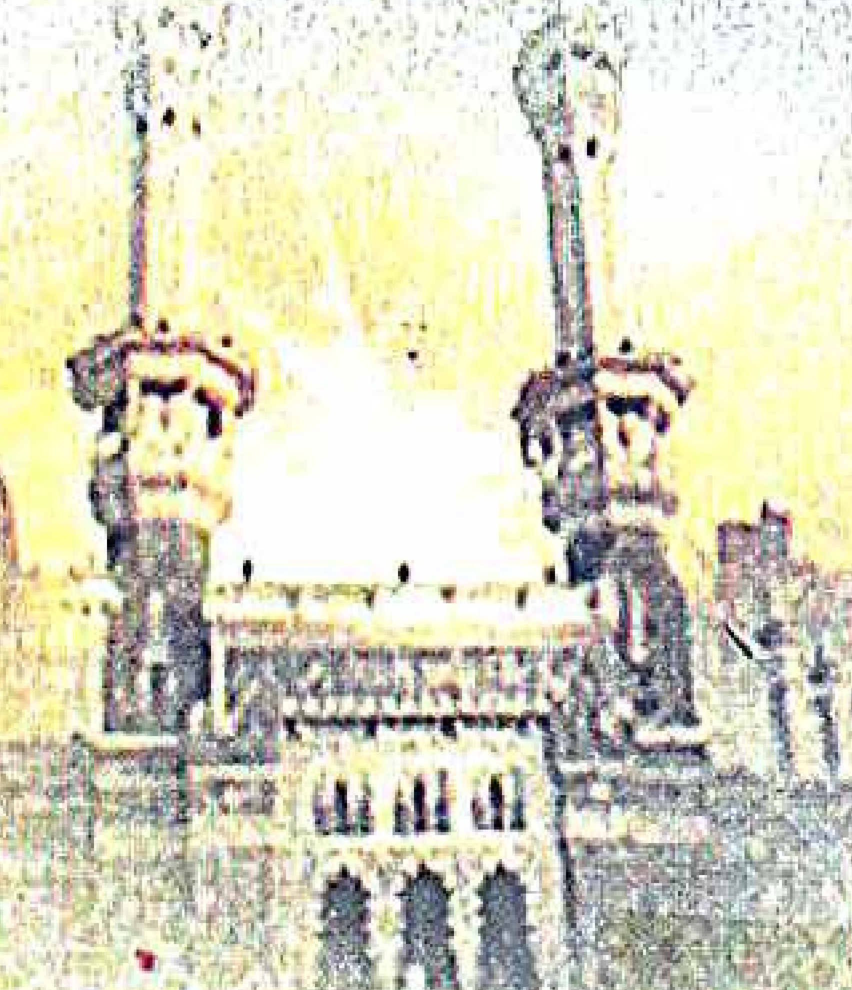

از

رئیس القلم
علامہ ارشد القادری

مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

انوار الاسلام

دربار چوک پرانی چشتیاں شریف بہاول نگر

0334-7049313 - 0303-4357576

Marfat.com